

ہفت روزہ ”القلم“ میں شائع ہونے والا قسط وار
مقبول عام سلسلہ اب کتابی صورت میں

تحریک سید احمد شہیدؒ



جمع و ترتیب

مدثر جمال تونسوی

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

دار البصائر

بہاولپور

ہفت روزہ ”القلم“ میں شائع ہونے والا قسط وار
مقبول عام سلسلہ اب کتابی صورت میں

تحریک

سید احمد شہیدؒ

جمع و ترتیب

مدثر جمال تونسوی

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

دارالبصائر۔ بہاولپور

نام کتاب..... تاریخ سید احمد شہید قدس سرہ

جمع و ترتیب..... مدثر جمال تونسوی

ناشر..... دار البصائر۔ بہاولپور

سنہ اشاعت..... ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

اجمالی فہرست کتاب

4	تحریک کا آغاز اور عالم اسلام کی حالت زار.....
6	تجدید دین اور سید احمد شہیدؒ.....
13	نئے باب کا آغاز.....
19	اکابر اہل علم کی بیعت.....
33	جہادی تربیت اور اس کے مقدمات.....
38	سفر حج.....
42	بیعت جہاد کا آغاز.....
43	سفر ہجرت.....
47	جہاد کا آغاز.....
61	ایک عظیم اجتماع اور تجدید بیعت.....
69	تحریک کا نازک وقت.....
71	مشہد مقدس.....
73	شبہات اور ان کے جوابات.....
79	سید احمد شہید کے اہل علم رفقاء.....
94	تحریک سید شہیدؒ اور خاندان شاہ ولی اللہ دہلویؒ.....

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد
المرسلين وخاتم النبيين وعلى آله وصحبه اجمعين ومن تبعهم
باحسان الى يوم الدين۔

تحریک کا آغاز اور عالم اسلام کی حالت زار:

تذکرہ ہے تیرہویں صدی ہجری کی ابتداء کا، یوں تو پورا عالم اسلام ہی انحطاط اور
زوال کا شکار ہے مگر برصغیر پاک و ہند کی حالت تو انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ صدیوں سے مسلم
سلاطین کے زیر حکومت رہنے والا خطہ ہندوستان آہستہ آہستہ انگریزوں کی عملداری اور
قبضے میں چلا جا رہا ہے۔ سلطنت مغلیہ کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ مسلمانوں کی مذہبی، اخلاقی،
سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالت تو مایوس کن تھی ہی برصغیر کی دیگر اقوام بھی روز بروز
انگریزوں کی حکومت و تسلط کے آگے سر تسلیم خم کرتی چلی جا رہی تھیں۔ غرض ایک طرف تنزلی
وزوال اور شکست و ریخت کا یہ سلسلہ جاری تھا تو دوسری طرف ”سنت اللہ“ جو صدیوں سے
جاری تھی اس کے ظہور کا وقت بھی آن پہنچا تھا۔ یہ مذہب ”اسلام“ ہی کی خصوصیت ہے جو
ہر بار ناموافق و نامساعد حالات سے نبرد آزما ہو کر دوبارہ پوری قوت و شوکت سے اپنے وجود
کو منواتا ہے اور اس کو مٹانے کا خواب دیکھنے والے سوائے کف افسوس ملنے کے اور کچھ نہیں
حاصل کر پاتے۔ اللہ تعالیٰ ہر دور میں ایسے رجال کا پیدا فرماتے رہتے ہیں جو اپنے
زمانے کے حالات کا صحیح جائزہ لیکر ”اسلامی ماحول“ کی آبیاری اور تروتازگی کیلئے مجددانہ

اور مؤثرانہ کردار ادا کرتے ہیں پھر بعض مجددین اسلام کے مختلف شعبہ جات میں سے کسی ایک میں وقت کی ضرورت اور حالات کے تقاضے کے موافق اپنا کردار ادا کرتے ہیں اور ایسے مجددین امت مسلمہ میں بہت سے گزرے ہیں کسی عظیم ہستی سے ”طریقت“ کی تجدید کا کام لیا گیا تو وہ ”مجدد طریقت“ کہلائی، کسی عالم دین سے دعوت و تبلیغ کی نئے خطو ط پر استواری اور نئے سرے سے اس کی اشاعت و ترقی کا کام لیا گیا تو وہ ”مجدد تبلیغ“ کہلائے، کسی صاحب عزم و ہمت اور پیکر جہد و عمل سے ”جہاد فی سبیل اللہ“ کے میدان میں نمایاں خدمات لی گئیں تو وہ ”مجدد جہاد“ کے لقب سے سرفراز ہوئے اور اس قسم کے مجددین جنہوں نے کسی ایک شعبہ میں تجدیدی اثرات چھوڑے ان کی فہرست کافی طویل ہے اور ہر دور میں ایک ہی وقت میں بسا اوقات ایک سے زائد افراد بھی اس منصب کے حامل رہے اور ہر مجدد اپنے دائرہ کار میں خدمات انجام دیتا رہا، مگر ایسے مجددین کی تعداد بہت کم ہے جنہوں نے حیات انسانی کے ہر شعبے میں اسلامی روح بیدار کی، ہر طبقے کے افراد کو از سر نو اسلامی رخ پر ڈالا، جنہوں نے صرف چند محدود و محدود افراد کی اصلاح و تربیت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے غیر معمولی فکر و عمل، قوت اصلاح و تربیت اور عند اللہ خالص محبوبیت و مقبولیت کی بنا پر پورے ماحول کو اسلامی رنگ میں رنگ دیا، پورے ماحول کا غیر اسلامی نقشہ بدل کر ایک ہمہ گیر انقلاب برپا کر دیا، اور ایسے مجددین کسی خاص شعبے کے مجدد نہیں بلکہ ”دین“ کے مجدد کہلاتے ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ایسے مجددین کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس امت کیلئے ہر صدی کے آغاز میں ایسے شخص کو پیدا فرمائیں

گے جوان کے دین کو تروتازہ کر دے گا۔

تجدیدِ دین اور سید احمد شہیدؒ:

ایسے ہی باکمال افراد میں جو ”مجددِ دین“ کہلائے تیرہویں صدی ہجری کی یہ بلند پایہ، عظیم المرتبت شخصیت، خانوادہ حسنیٰ و حسینیؑ کے درشہوار سید احمد شہیدؒ ہیں۔ جنہوں نے اس نکتے کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ ”حکومتِ الہی“ کے قیام اور ”اسلامی نظامِ حیات و قوانین و حدود“ کے اجراء اور ماحول کی تبدیلی کے بغیر سب کوششیں ”محت زیادہ نتیجہ کم“ ثابت ہوں گی۔ صرف چند خاص لوگوں کی اصلاح ہوگی لیکن ضرورتِ فضا بدلنے اور جڑ مضبوط کرنے کی ہے۔ آپ رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کے نقش قدم پر کام کرنا چاہتے تھے۔ آپؒ مادی و روحانی دونوں قسم کا اقتدر ”اسلام“ ہی کو سونپنا چاہتے تھے۔ آپؒ سمجھتے تھے کہ اسلام کی بقا اور دفاع کیلئے قوت اور حکومت کا ہونا انتہائی ضروری ہے اسی لئے قرآنِ غلبہ و عزت کے حصول پر زور دیتا ہے اور اسی لئے خلافتِ اسلامیہ بہت ہی اہم اور مقدس چیز سمجھی گئی ہے اور اس کو اکابر صحابہؓ نے رسول اکرم ﷺ کی جہیز و تکفین پر مقدم رکھا اور اسی کی حفاظت کیلئے سیدنا حضرت حسینؓ نے اپنی قربانی پیش کی تاکہ اس کا مقصد ضائع نہ ہو اور اسلام کی بقا و دفاع کا یہ سرمایہ نا اہل ہاتھوں میں جانے نہ پائے۔

سید صاحبؒ کے تجدیدی کارنامے اور داستانِ جہد و عمل کے نتائج و ثمرات پر روشنی ڈالتے ہوئے اور آپؒ کے قافلے اور آپؒ سے وابستہ افراد کے انفرادی و اجتماعی حالات کی انقلابی تصویر کشی کرتے ہوئے سید ابوالحسن ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

سید صاحبؒ کی ایک اور خصوصیت پر نظر ڈالئے اور وہ یہ کہ آپؒ نے تھوڑے زمانے

میں ایک دینی فضا قائم کر دی اور ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جس کی صحیح تعریف یہ ہے کہ وہ تیرہویں صدی میں صحابہؓ کا نمونہ تھے، ایک رنگ میں رنگے ہوئے، ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے، اللہ کے لئے جان دینے والے، شریعت پر جینے اور مرنے والے، بدعت سے نفور، شرک کے دشمن، جہاد کے نشے میں سرشار، متقی و عبادت گزار، اور بڑی بات یہ ہے کہ ہم رنگ و یک آہنگ، تاریخ اسلام میں ایک جگہ اتنی بڑی تعداد میں اس پختگی اور جامعیت کی کوئی جماعت صحابہؓ و تابعینؓ کے بعد مشکل سے ملے گی، کیفیات ایمانی کے جان نواز جھونکے تاریخ اسلام میں بارہا چلے ہیں لیکن ایمان و یقین اور خلوص و للہیت کی ایسی باد بہاری ہمارے علم میں کم سے کم اس ملک میں اس سے پہلے نہیں چلی، نہ اس سے پہلے اتنے بڑے پیمانے پر عزم و توکل، جوش جہاد، ایمان و احتساب، شوق شہادت اور یقین آخرت کے ایسے نمونے دیکھنے میں آئے، آدم گری اور مردم سازی، اصلاح و انقلاب کے ایسے محیر العقول واقعات بھی اصلاح و تربیت کی تاریخ میں نایاب نہیں تو کیا ضرور ہیں۔

ان آخری صدیوں میں ہم کو دنیائے اسلام میں کسی ایسی مذہبی تحریک کا علم نہیں ہوا جو ہندوستان کی اس تحریک احیائے سنت و جہاد سے زیادہ منظم و وسیع ہو اور جس کے سیاسی اور مذہبی اثرات اتنے ہمہ گیر اور دور رس ہوں، ہندوستان کی کوئی اصلاحی جہد و جہد اور مسلمانوں کی کوئی سیاسی تحریک ایسی نہیں، جو اس تحریک سے متاثر نہ ہو، واقعہ یہ ہے کہ اس برصغیر میں موجودہ اسلامی زندگی، مذہبی اصلاح، مسلمانوں کی سیاسی بیداری اور ملک میں مسلمانوں کے وجود کی اہمیت اور ان کا سیاسی وزن بڑی حد تک اسی طویل جہاد کا رہین منت ہے۔“

”تحریک سید احمد شہیدؒ“ نے بتدریج اپنی منزلیں طے کیں۔ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے ہندوستان کے ”دارالحرب“ ہونے کو جو فتویٰ دیا تھا یہ تحریک اسی فتویٰ میں عملی رنگ بھرنے کی کوشش تھی اور یہ تحریک درحقیقت ”تجدید دین، احیاء جہاد اور نفاذ امارت اسلامیہ“ کی تحریک تھی اور سید صاحبؒ، آپ کے رفقاء اور سرپرست اکابر علماء سبھی اس سلسلے میں ”جہاد فی سبیل اللہ“ ہی کو مؤثر کردار سمجھتے تھے اور قرآن و حدیث کے نصوص و دلائل کی روشنی میں ان پر یہ بات آشکارا ہو چکی تھی کہ انگریز جنہوں نے اسلامی حکومت کا شیرازہ منتشر کیا ہے ان کے تسلط و غلبہ کا خاتمہ، اور اسلامی نظام کے نفاذ و غلبہ کیلئے ایک ”امیر جہاد“ کا ہونا ناگزیر ہے جو امت مسلمہ کے بچے کھچے سرمایہ کو اپنی خداداد صلاحیتوں اور مسیحی نفسی سے یکجا کر کے ان میں اسلامی روح پھونک کر دین اسلام پر مر مٹنے والی ایسی جماعت مہیا کرے جو جذبہ جہاد سے سرشار اور اطاعت امیر میں پختگی سے دشمن سے سرسریکار ہو کر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کیلئے اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دینا بھی سعادت سمجھتی ہو۔ ان میں خانقاہوں کا نظام اصلاح و تربیت بھی ہو اور درسگاہوں کا نظام تعلیم و تعلم بھی، وہ خدمت خلق کے محسانہ انسانی جذبات سے بھی معمور ہو اور راہ حق میں آئیوالی رکاوٹوں کی پروانہ کرنے والے بہادرانہ عزائم کی بھی حامل ہو۔

شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ عبدالقادرؒ سے استفادہ:

سید احمد شہیدؒ نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور شاہ عبدالقادر مفسر قرآن جیسی نادرہ روزگار شخصیات سے استفادہ ظاہری و باطنی کیا تھا۔ جب آپ شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کی اعلیٰ فطری صلاحیت و استعداد دیکھ کر شاہ عبدالقادرؒ نے آپ کو

خصوصی تربیت کیلئے اپنے لئے مانگ لیا تھا۔ اور آپؐ نے شاہ عبدالقادرؒ کی خدمت میں رہ کر ”قرآن مجید“ کا گہرائی اور توجہ سے مطالعہ کیا اور اس کی گہرائیوں و باریکی بینیوں پر عبور حاصل کیا تھا۔ آپؐ نے شاہ عبدالعزیزؒ سے ”بیعت طریقت“ کی، انہوں نے چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ تین سلسلوں میں آپؐ کو داخل فرمایا تھا۔ ایک موقع پر شاہ عبدالعزیزؒ نے آپؐ سے فرمایا تھا ”اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و انعام سے تم کو ”ولایت انبیاء“ سے نوازا ہے“ آپؐ کی تربیت کیلئے اللہ تعالیٰ نے خاندان ولی الہی کو منتخب فرمایا جو ہندوستان میں بالاتفاق علم کا سب سے بڑا مرکز تھا اور جہاں بیک وقت صرف اسی خاندان میں شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ عبدالقادرؒ، شاہ رفیع الدینؒ، مولانا عبدالحیؒ، مولانا شاہ اسماعیلؒ، مولانا شاہ محمد اسحاقؒ اور مولانا محمد یعقوبؒ جیسے مشاہیر موجود تھے۔

شاہ عبدالعزیزؒ سے بیعت ہوتے ہی آپؐ ہمہ تن اپنے کام میں مشغول ہو گئے، چند دنوں میں اسقدر باطنی ترقی اور وہ بلند مقامات حاصل ہوئے جو سا لہا سال کی ریاضت و مجاہدوں سے بھی کم حاصل ہوتے ہیں۔ آپؐ پر بیداری و خواب دونوں حالتوں میں انعامات الہیہ کی خوب بارش ہوئی۔

ایک مبارک خواب:

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ ”صراط مستقیم“ میں لکھتے ہیں: ”ایک بار خواب میں رسول اللہ ﷺ نے سید صاحبؒ کے منہ میں تین چھوہارے دیئے اور بہت شفقت و محبت سے کھلائے، جب آپؐ بیدار ہوئے تو ان کی شیرینی آپؐ کے ظاہر و باطن سے ظاہر تھی، اس کے بعد ایک روز سید صاحبؒ نے خواب میں حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کو دیکھا، حضرت

علیؑ نے اپنے دست مبارک سے آپؐ کو اس طرح نہلایا جیسے باپ اپنے بچوں کو نہلاتے دھلاتے ہیں اور حضرت فاطمہؑ نے اپنے ہاتھ سے ایک لباس فاخر آپؐ کو پہنایا، اس کے بعد سے طریق نبوت کے کمالات آپؐ پر ظاہر ہونے لگے جب سلوک و معرفت کی منازل طے کر لیں تب اپنے وطن رائے بریلی واپس لوٹے اور اسی عرصے میں آپؐ نے نکاح فرمایا۔

نواب امیر خاں کی رفاقت:

کچھ عرصہ اپنے وطن قیام کر کے ۱۲۲۶ھ میں دوبارہ دہلی تشریف لائے، پھر اگلے سال ۱۲۲۷ھ میں نواب امیر خاں کے لشکر میں شمولیت کیلئے چلے گئے جو اس وقت وسط ہند میں بعض ہندو راجاؤں سے برسرِ پیکار تھے۔ نواب امیر خاں روہیلکھنڈ کے افغانوں کی قیادت کرتے ہوئے کبھی راجاؤں اور مرہٹوں سے برسرِ پیکار ہوتے اور کبھی انگریزوں سے اور اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی یہی واحد آزاد فوجی طاقت تھی جسے اگر صحیح الفکر اور صحیح العمل قیادت مل جاتی یا جیسا کہ سید احمد شہیدؒ اس لشکر میں شامل ہوئے اور پھر آہستہ آہستہ نواب خاں اور لشکر والوں کو آپؐ کی اہمیت کا اندازہ ہو گیا تھا اسی بناء پر آپؐ کے مشورے و صلاح اور رائے و تدبیر کو اختیار کر لیتی تو یہ بہترین فوجی عنصر اور وقت کے شہباز و شاہین حالات کی کایا پلٹ دیتے۔ اس سفر نے آپؐ کی مستقبل کی زندگی پر بہت اچھا اثر چھوڑا، اور رب العالمین کو آپؐ سے جو امارت و قیادت اور احیاء جہاد کا کام لینا تھا یہ اس کا ابتدائی عملی تجربہ ثابت ہوا اور سید صاحبؒ کا یہ سفر اشارہ غیبی کی بناء پر تھا جیسا کہ مولوی سید جعفر علی صاحبؒ نے تحریر کیا ہے کہ ”اقامت جہاد کے بارے میں آپؐ کو الہام

ربانی ہوا تھا اس کی بناء پر آپؐ نواب امیر خاں کے لشکر کی طرف تشریف لے گئے تھے، اس لشکر میں آپؐ نے سپاہیانہ زندگی کے ساتھ ساتھ ہر سپاہی میں اصلاحی و تربیتی روح جو در حقیقت اسلام کی روح ہے از سر نو بیدار کرنے کی کوششیں جاری رکھیں، چونکہ مستقبل میں آپؐ نے ایک ایسے لشکر کی قیادت کرنا تھی جس کی تربیت میں دونوں پہلوؤں کو برابر اہمیت دی جانی تھی جس لشکر کے سپاہی دن کے گھڑ سوار اور رات مصلے پر گزارنے والے ہونے تھے اس لئے ابھی سے آپؐ کو قدرت الہی بتدریج کمال تک پہنچا رہی تھی۔ آپؐ لشکر میں ضرورت مندوں اور پریشان حالوں کی دلجوئی فرماتے، عقیدہ صحیحہ کی تعلیم فرماتے، خلاف شرع امور سے توبہ کراتے، ارکان و فرائض کی پابندی کا اقرار لیتے، آپؐ کوشش فرماتے کہ یہ لشکر صرف علاقوں کا فاتح نہ ہو بلکہ قلوب انسانی کا بھی فاتح ہو۔

سید صاحبؒ کم از کم چھ سال تک اس لشکر میں نواب امیر خاں کی رفاقت میں رہے اور ہر طرح سے ان کا ساتھ دیتے رہے مگر پھر جب نواب امیر خاں بعض داخلی اور خارجی وجوہات کی بناء پر انگریزوں سے مصالحت کر بیٹھے تب سید صاحبؒ، نواب صاحب کے لشکر کو چھوڑ کر آ گئے، کیونکہ اب کوئی فائدہ نہیں رہا تھا آپؐ کی تمنا یہ تھی اور آپؐ اس لئے اس لشکر میں شامل ہوئے تھے تاکہ انگریزوں نے جو پورے ملک پر تسلط قائم کر لیا ہے اور اسلامی حکومت کا تختہ الٹ دیا ہے اس کو اپنے ملک سے نکالنا ہے اور یہاں دوبارہ اسلامی حکومت قائم کرنا ہے اب اس کی ظاہری صورت ختم ہو چکی تھی اس لئے واپس دہلی اپنے مرکز لوٹ آئے۔

ایک منٹ ٹھہریے!

”تحریک سید احمد شہیدؒ کے سفر کو آگے بڑھانے سے پہلے امیر تحریک کے خاندانی پس منظر، ذاتی حالات اور اوصاف و کمالات پر ایک نظر ڈال لینا ضروری ہے۔ یہ بات تو پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ سید صاحبؒ کا خاندان اپنے ذاتی شرف و فضیلت میں تمام خاندانوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ آپ کا تعلق خاندان اہل بیت سے تھا اور وہ بھی دوہری نسبتیں جمع کئے ہوئے کیونکہ آپ حسنی بھی تھے اور حسینی بھی اور سینتیسویں (37) پشت میں جا کر آپ کا سلسلہ نسب سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے جاملتا ہے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں اس خاندان میں باکمال افراد کو پیدا کیا مگر سید صاحبؒ کے قریبی زمانے میں اس خاندان میں ایک مشہور، باکمال اللہ والے بزرگ گزرے ہیں، ان کا نام سید علم اللہ شاہ ہے، سید علم اللہ صاحبؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مشہور و معروف خلیفہ سید آدم بنوری نقشبندی مجددیؒ کے خلیفہ اور اپنے عہد کی بے مثال و باکمال شخصیت تھے۔ سید شہیدؒ کے والد سید عرفان، سید علم اللہ کے پڑپوتے تھے، نہایت متوکل اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ دو شادیاں کی تھیں پہلی شادی سید محمد معین کی بیٹی سے ہوئی جس سے ایک بیٹی بی بی نجیہ پیدا ہوئیں۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد شاہ ابوسعیدؒ کی صاحبزادی سے نکاح کیا جن سے تین بیٹے سید محمد ابراہیم، مولانا سید محمد اسحاق اور حضرت سید احمد شہیدؒ اور تین بیٹیاں ہوئیں۔

سید احمد شہیدؒ صفر ۱۲۰۱ھ یعنی تیرہویں صدی کے بالکل ابتداء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ تحصیل علم سے زیادہ ”جہاد“ کیلئے مفید اور اس سے متعلقہ کھیلوں کا شوق تھا۔ بچپن ہی میں اپنے ہم عمر لڑکوں کے لشکر بنا کر بطور جہاد مقابلے کراتے، ورزش کا خاص اہتمام کرتے، اسی عمر میں خدمت خلق کا جذبہ بھی قابل رشک تھا، ہمسائیوں اور اہل محلہ کی

ایسی خدمت کرتے کہ بڑے بڑے بھی شرمندہ رہ جاتے اگر کوئی عذر کرتا تو بطور خود اسے ”خدمت خلق“ کے فضائل سناتے اور دوبارہ خدمت میں لگ جاتے۔ غنغوان شباب میں والد محترم کا انتقال ہو گیا تو اپنے چند عزیزوں اور ہم وطنوں کے ہمراہ جو ملازمت کے طلبگار تھے۔ ۱۷، ۱۸ سال کی عمر میں لکھنؤ کا سفر کیا وہاں جتنی آسامیاں خالی ملیں خود لینے کی بجائے انہی عزیزوں اور ہم وطنوں کو دلا دیں اور خود تحصیل علم اور تکمیل سلوک کیلئے شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں دہلی چلے آئے پھر وہاں سے زندگی کا وہ سفر شروع ہوا جو آپ کیلئے ازل سے مقدر ہو چکا تھا۔

دہلی کا تیسرا سفر اور نئے باب کا آغاز:

۱۲۳۲ھ میں جب نواب امیر خاں والی ٹونک نے انگریزوں سے مصالحت کر لی تب سید احمد شہیدؒ جس مقصد کیلئے گئے تھے وہ چونکہ فوت ہو گیا اس لئے دوبارہ اپنے مرکز دہلی شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں تشریف لے آئے، اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سید احمد شہیدؒ کی یہ ساری سرگرمیاں شاہ عبدالعزیزؒ کی آرزو و خواہش اور مشاورت کے ساتھ تھیں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں حکومت الہیہ کا جو نقشہ پیش کیا تھا اب ان کے صاحبزادے وجانشین شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اپنے ایک قابل فخر، صاحب عزم و ہمت مرید سید احمد شہیدؒ کے ذریعے اس حکومت الہیہ کے نقشے کو عملی نفاذ کی شکل دینا چاہتے تھے اور بہت سی ظاہری و باطنی وجوہات سے انہوں نے اندازہ لگالیا تھا کہ سید احمد شہیدؒ ہی اس مہم کی انجام دہی کیلئے موزوں و مناسب ہیں اور قدرت الہیہ بھی انہی کو اس عظیم خدمت کیلئے منتخب کر چکی ہے۔ چنانچہ سید احمد شہیدؒ، نواب خان سے ناراض ہو کر اور لشکر کو چھوڑ کر

دہلی روانہ ہوئے تو دہلی پہنچنے سے ایک ہفتہ پہلے شاہ عبدالعزیزؒ نے ایک خواب دیکھا اور پھر وقت کے نامور محدث کے اس خواب کی تعبیر وقت کے ایک مشہور و مقبول اللہ والے بزرگ مجددی شیخ مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ کے خلیفہ شاہ غلام علی مجددی دہلویؒ نے ارشاد فرمائی یہ خواب اور اس کی تعبیر کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلویؒ کا ایک خواب اور سید احمد شہیدؒ:

”دہلی پہنچنے سے ایک ہفتہ قبل جس شب کو آپ نے لشکر سے دہلی کا رخ فرمایا، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے خواب دیکھا کہ آنحضرت ﷺ جامع مسجد دہلی میں تشریف رکھتے ہیں، اور لوگ دور دور سے جوق در جوق زیارت کے لئے آرہے ہیں سب سے پہلے آنحضرت نے شاہ صاحبؒ (شاہ عبدالعزیز) کو شرف باریابی عطا فرمایا اور عصائے مبارک دے کر فرمایا کہ اس عصا کو لے کر مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور جو آنا چاہے اندر آ کر اس کا حال عرض کرو اور میری اجازت سے اندر بھیجو! شاہ صاحبؒ نے اس کی تعمیل کی اور ہزار ہا بندگان خدا نے حضور ﷺ کی زیارت کی۔

صبح اٹھ کر شاہ صاحبؒ سب سے پہلے حضرت شاہ غلام علیؒ خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے پاس تشریف لے گئے اور خواب کی تعبیر چاہی، شاہ غلام علیؒ نے فرمایا ”سبحان اللہ! یوسف وقت مجھ سے تعبیر پوچھتا ہے“! شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس خواب کی تعبیر میں آپ ہی کی زبان سے سننا چاہتا ہوں، شام غلام علیؒ نے فرمایا اس خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے یا آپ کے کسی مرید رشید کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت و فیض کا سلسلہ جاری ہوگا شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ میرے خیال میں بھی یہی تعبیر آئی تھی۔“

ایک ہفتے کے بعد سید صاحب دہلی تشریف لائے اور حسب معمول اکبر آبادی مسجد (جس میں شاہ عبدالقادرؒ نے چالیس سال معتکف رہ کر قرآن کریم کا پہلا اردو ترجمہ کیا تھا) میں قیام فرمایا اور لوگوں کا رجوع شروع ہوا۔ اب تک سید احمد شہیدؒ کی زندگی کے مراحل ذاتی تربیت و اصلاح کے گرد گھوم رہے تھے ”تجدیدی دین“ کے منصب عظیم کیلئے جس قسم کی ظاہری و باطنی تربیت درکار تھی اللہ تعالیٰ نے اس کے تمام مواقع فراہم کر کے ان کو تیار فرما دیا تھا۔ اب وقت آچکا تھا کہ اپنی ”تجدیدی مہم“ کو مرحلہ وار آگے بڑھایا جائے اس سلسلے میں آپ نے اصلاح و تربیت سے آغاز فرمایا بلکہ یوں کہا جائے کہ شاہ عبدالعزیزؒ ہی نے اس کام پر آپ کو لگایا چنانچہ خود شاہ عبدالعزیزؒ سے جو بھی صاحب استعداد اور طالب صادق سلوک کی تعلیم اور توجہ و افادہ باطنی کیلئے آپ کے پاس آتا، آپ اسے سید احمد شہیدؒ کے حوالے فرما دیتے اور صرف یہی نہیں بلکہ اپنے خاندان کے نمایاں و سرکردہ علماء و افراد کو بیعت و سلوک اور ”تجدید و احیاء اسلام“ کی مہم کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کیلئے سید احمد شہیدؒ کے حوالے کر دیا۔ تاکہ ”دارالحرب“ کے خاتمے اور ”دارالاسلام“ کے قیام کی ضرورت و اہمیت کا جو فتویٰ ہمارے گھر سے جاری ہوا ہے اس مشن کی تکمیل کیلئے سب سے پہلی قربانی بھی ہمارے ہی گھر سے پیش ہو اس لئے اپنے ہی خاندان کے ممتاز افراد کو سب سے پہلے ”امیر تحریک“ کی خدمت میں پیش کیا۔

خاندان ولی اللہی کی بیعت:

مولانا غلام رسول مہر کی تحقیق کے مطابق خاندان ولی اللہ میں سب سے پہلے مولوی محمد یوسف پھلتی نے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی، مولوی محمد یوسف پھلتی، شاہ ولی اللہ کے

بڑے بھائی شاہ اہل اللہ کے پوتے تھے۔ مولانا احمد اللہ ناگپوری کے بیان کے مطابق مولانا عبدالحی اور مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ نے مولانا محمد یوسف پھلتی سے کہا تھا کہ پہلے آپ سید صاحب سے بیعت کریں، مراقبہ و توجہ میں جو انوار و برکات حاصل ہوں اس کی تفصیلات ہمیں بتائیں پھر ہم بیعت کریں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالحی اور مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کو شاہ عبدالعزیزؒ نے سید صاحب کے حوالے نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے خود آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا تھا مگر مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے جس واقعہ کو مستند قرار دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے ان دو حضرات کو شاہ عبدالعزیزؒ ہی نے سید صاحب کے حوالے کیا تھا۔

ان دو حضرات کی بیعت کے ساتھ یہ جاننا ضروری ہے کہ ان کا مقام و مرتبہ کیا تھا.....؟ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے مقام و مرتبہ سے تو شاید ہی کوئی ناواقف ہو انہوں نے مولانا عبدالحی کو ”شیخ الاسلام“ اور مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کو ”حجة الاسلام“ کا لقب دیا ہے اور دونوں کو ”تاج المفسرین، فخر المحدثین، سرآمد علماء کے محققین“ کے خطاب سے نوازا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دو حضرات کا علمی مقام و مرتبہ کتنا اونچا تھا، نیز خاندان ولی اللہ کا فرد ہونا ہی اس دور میں بہت بڑے اعزاز کی بات تھی پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہ دونوں حضرات جس طرح علمی مقام و مرتبہ میں سید صاحب سے بڑے تھے اسی طرح عمر میں بھی حضرت سید صاحب سے بڑے تھے دوسری یہ بات بھی اہم کہ خود شاہ عبدالعزیزؒ جو سید صاحب کے پیر و مرشد ہیں موجود ہیں مگر اس سب کے باوجود اپنے ان ہونہار خاندانی علماء کو سید صاحب سے بیعت کرایا۔ اس موقع پر بانی دارالعلوم دیوبند

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا یہ قول یاد رکھنا نہایت ضروری ہے جس سے سید صاحب کے مقام و مرتبے پر بھی روشنی پڑتی ہے اور یہ عقدہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ شاہ عبدالعزیزؒ نے اس عظیم کام کیلئے سید صاحب کا انتخاب کیوں کیا اور اپنی موجودگی میں اپنے خاندان کے ممتاز علماء و افراد کو بیعت کیوں کرایا.....؟

مولانا قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں ”سید صاحب اپنے وقت کے مجدد تھے اور مجدد کو جو روحانی نسبت حاصل ہوتی ہے اس میں اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا“ چنانچہ جب خاندان ولی اللہ کے ان ممتاز علماء و افراد نے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت طریقت کی تو اس کی شہرت جہاں جہاں پہنچی وہاں کے لوگوں پر اس کا خاص گہرا اثر پڑا اور وہ تمام لوگ سید صاحب کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کیلئے بے چین ہو گئے اور ہر طرف سے اپنے پاس بلانے کیلئے خطوط آنے لگے، جب خطوط زیادہ آنے لگے تب سید صاحب نے یہ خطوط مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کے ہاتھوں شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس بھجوائے۔ شاہ صاحبؒ تو گویا بیٹھے ہی اس دن کے انتظار میں تھے کہ کب اس ”تحریک“ کا پہلا قدم اپنی منزل کی جانب اٹھتا ہے۔ شاہ صاحب اس سے بہت خوش ہوئے اپنا لباس خاص سید صاحب کو پہنایا اور دعوت و ارشاد کی مہم پر روانہ فرمادیا۔

پہلا اصلاحی دورہ:

خاندان ولی اللہ کے اکابر علماء و افراد اور کثیر عوام کی بیعت سے اس جماعت کا نقش اول تو قائم ہو ہی گیا تھا جس کیلئے شاہ عبدالعزیزؒ نے سید صاحب کی خاص تربیت فرمائی تھی اور خود سید صاحب جس مشن کیلئے اپنی زندگی وقف کر چکے تھے۔ اب وقت تھا کہ اس جماعت

اور تنظیم کو وسعت دی جائے، زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس جماعت سے وابستہ کرنے اور اس مشن کی تکمیل میں اپنی زندگیاں کھپانے کیلئے ایک عمومی دعوت کی فضا قائم کی جائے، اس کیلئے سید صاحب نے ”دعوتی اور اصلاحی دورات“ کا انتظام فرمایا اور ان ”دورات“ کی ترتیب و تنظیم کے سلسلے میں دعوتی خطوط نے بھرپور فائدہ دیا، جہاں سے بھی سید صاحب کے پاس طلبی کے خطوط آتے آپ اپنے قافلے کے ہمراہ ”دعوت و ارشاد“ کی غرض سے وہاں تشریف لیجاتے۔ بقول مولانا غلام رسول مہران دورات میں سید صاحب کے پیش نظر دو مقصد رہے (۱) مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح (۲) اس بات کا اندازہ لگانا کہ دعوت جہاد کی مقبولیت اور پذیرائی کے کتنے امکانات ہیں اور اس کیلئے کس قدر مزید محنت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ سید صاحب کے مشن ”احیاء خلافت اسلامیہ“ کی کامیابی کا انحصار انہی دو باتوں پر تھا۔

سب سے زیادہ خطوط میرٹھ، مظفرنگر اور سہارنپور سے آئے تھے اور یہ علاقہ دریائے گنگا و جمنہ کے درمیان واقع ہے اس لئے یہ علاقہ ”دو آبہ“ کہلاتا ہے اور اس مناسبت سے ان علاقوں کے دورے کو ”دو آبے کا دورہ“ کہا جاتا ہے۔

سید صاحب کا یہ پہلا ”تبلیغی اور دعوت عام“ کا دورہ ۱۲۳۴ھ میں ہوا۔ اس سفر میں مولانا عبدالحیٰ اور شاہ اسماعیل شہید کے علاوہ ستر آدمی شریک سفر تھے۔ آغاز دورہ سے پہلے ہی اس کی شہرت عام ہو گئی تھی اس لئے یہ قافلہ جہاں جہاں بھی گیا لوگ پہلے سے انتظار میں تھے اور ہر جگہ آپ کے پہنچتے ہی لوگوں کا جم غفیر جمع ہو جاتا۔ عوام و خواص جوق در جوق خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ ہر وقت بیعت کرنے والوں کا ہجوم رہتا۔ علاقے کے

امراء و نواب خدمت و مہمان نوازی کو سعادت سمجھتے، چھ ماہ میں آپ نے یہ پہلا ”تبلیغی و اصلاحی دورہ“ مکمل فرمایا جن علاقوں میں یہ دورہ فرمایا اس کے مشہور مقامات کے نام یہ ہیں، غازی آباد، میرٹھ، بڑھانہ، پھلت، دیوبند، نانوتہ، مرادنگر، سہارنپور، اس دورے کے عمومی اثرات و فوائد سے پہلے دواہم واقعات کا جاننا ضروری ہے جن میں سے ہر واقعہ ایک خاص نوعیت کا فائدہ لئے ہوئے ہے۔

اکابر اہل علم کی بیعت

مفتی الہی بخش کاندھلویؒ کی بیعت:

اسی سفر میں ۷ ربیع الاول ۱۲۳۲ھ میں سید شہیدؒ کا ندہلہ تشریف لائے، کا ندہلہ ایک عرصے سے علم و فضل کا گہوارہ رہا ہے اور ابھی تک بانی تبلیغ مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی نسبت سے شہرت دوام کا مالک ہے اس وقت وہاں ایک معروف روحانی و علمی شخصیت مفتی الہی بخش کاندھلویؒ کی ذات گرامی موجود تھی جو شاہ عبدالعزیز کے خاص شاگرد اور خلیفہ مجاز تھے اہم بات یہ کہ دنیائے تصوف و سلوک میں نادر کتاب ”مثنوی معنوی“ مولانا رومیؒ کی کتاب کا آخری حصہ جو وہ مکمل نہیں کر سکے تھے مگر آخر میں یہ پیش گوئی ضرور کر گئے تھے کہ ایک وقت ایسی شخصیت ضرور پیدا ہوگی جو اس کی تکمیل کرے گی اللہ رب العزت نے ”خاتم المثنوی“ کا یہ اعزاز مفتی الہی بخش کاندھلویؒ کی قسمت میں لکھا تھا آپ نے اس حصے کی تکمیل فرمائی اور خاتم المثنوی کے لقب سے نوازے گئے جس وقت سید شہیدؒ کا ندہلہ دورے پر آئے تھے اس وقت مفتی صاحب، سید شہیدؒ سے عمر میں ۳۸ سال بڑے تھے۔ مگر سید شہیدؒ کے کمالات اور تجدید دین کیلئے منتخب ہونے کو دیکھ کر تکبر اور حسد میں مبتلا ہونے

کے بجائے ان کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے ظاہر ہے یہ بیعت سلوک و تکمیل کیلئے نہ تھی بلکہ ایک ”مجددین“ کی تحریک تجدید میں اپنا نام لکھوانے کیلئے تھی۔ اس واقعہ میں علماء کرام اور عام مسلمانوں کیلئے بہت بڑا سبق ہے کہ شریعت میں اپنے ذاتی مفاد اور ذاتی اغراض و مقاصد تکبر و حسد کو آڑ نہ بننے دیا جائے بلکہ جب ایسا صاحب عزم و ہمت شخص فضل خداوندی سے مل جائے اس کی قدر کرنا چاہیے یہی وجہ ہے کہ معرکہ شامی میں نوجوان عالم دین مولانا قاسم نانوتویؒ ہی کے مشورے کو مانتے ہوئے شیخ وقت مولانا شیخ محمد محدث تھانوی اور حاجی امداد اللہ مہاجر کی نے انگریز کخلاف جہاد کا علم بلند کیا تھا۔

شاہ عبدالرحیم ولایتیؒ کی بیعت:

اسی دورہ میں جب سید شہیدؒ سہارنپور تشریف لائے تو ”بونی کی مسجد“ کی طرف نکلے، اس مسجد میں شاہ عبدالرحیم ولایتیؒ جو حاجی امداد اللہ مہاجر کی کے پیر و مرشد میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ کے پیر و مرشد تھے اس مسجد میں مقیم تھے۔ اسی مسجد میں سید شہیدؒ سے شاہ عبدالرحیم ولایتیؒ کی ابتدائی ملاقات ہوئی جو ایسا رنگ لائی کہ پھر شاہ عبدالرحیم ہمیشہ کیلئے سید شہیدؒ کے غلام بے دام بن گئے، حالانکہ وہ خود اس وقت شیخ و مرشد تھے، مریدین کا ایک بڑا حلقہ رکھتے تھے مگر تکبر و حسد کی عینک کی بجائے حقیقت حال کو دیکھا تو سمجھ گئے اس صدی کے یہی مجدد ہیں اور ان سے تجدید کا جو کام لیا جانا ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی عمل ایسا نہیں جس میں زندگی کھپائی جائے اور یہی شاہ عبدالرحیم ولایتیؒ ہیں اور اسی تربیت کے اثرات تھے جو آگے ان کے خلیفہ میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ سے منتقل ہوتے ہوئے حاجی امداد اللہ مہاجر کی کے حصے میں آئے اور پھر ان سے مولانا قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا محمود حسن دیوبندی جیسی عظیم شخصیات نے فیض پا کر وہ انقلاب عظیم برپا کیا جس سے دوست دشمن سب واقف اور سب معترف ہیں۔
شاہ عبدالرحیم ولایتیؒ نے اپنے کو ایسا وقف کیا کہ بیعت سے لیکر میدان جہاد تک ساتھ نبھاتے رہے اور اسی میں اپنی جان خدا کے سپرد کر کے صوبہ سرحد کے علاقے ”پنجتار“ میں سکھوں سے مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کئے حیات جاودانی پا گئے۔



سفر کے برکات و اثرات:

مولانا ندوی تحریر فرماتے ہیں ”آپ کا پورا سفر باران رحمت کی طرح تھا کہ جہاں سے گزرتا ہے سرسبزی و شادابی، بہار و برکت چھوڑ جاتا ہے دیکھنے والوں کا متفقہ بیان ہے کہ جہاں آپ تھوڑی دیر ٹھہر گئے وہاں مساجد میں رونق، اللہ رسول کا چرچا، ایمانوں میں تازگی، اتباع سنت کا شوق، اسلام کا جوش پیدا ہو گیا اور کہیں کہیں شرک و بدعت اور رخص کا بالکل خاتمہ ہو گیا اور جو بستیاں اور مقامات آپ کے قدموں سے محروم رہے وہ ان نعمتوں سے محروم رہے سالہا سال تک یہ اثر اور فرق رہا، راقم سطور کے والد مرحوم مولانا سید عبدالحی صاحبؒ اپنے سفر نامہ ”ارمغان احباب“ میں مولانا ذوالفقار علی والد شیخ الہند صاحبؒ کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں سید صاحبؒ اس نواح (دیوبند و سہارنپور) کے اکثر قصبہ جات میں تشریف لے گئے وہاں اب تک خیر و برکت ہے اور دو ایک گاؤں اور قصبہ ایسے ہیں جہاں نہیں گئے وہاں اب تک وہی نحوست اور شامت باقی ہے چنانچہ منگھور نہیں گئے وہاں کے لوگوں میں وہی جہالت و قساوت ہے اور ایک مختصر گاؤں ہے جہاں مسلمانوں کے دو چار گھر

ہیں اتفاقاً سید صاحبؒ کسی ضرورت سے وہاں بھی گئے وہاں بھی خیر و برکت پائی جاتی ہے گویا کہ ایک نور مستطیل ہے کہ جدھر جدھر وہ گئے ادھر ادھر وہ پھیل گیا ہے..... اس تمام سفر میں مولانا محمد اسماعیلؒ اور مولانا عبدالحیؒ ہمراہ تھے ان کے مواعظ سے بہت اصلاح و انقلاب ہوا، اس ایک سفر نے وہ کام کیا جو بڑے بڑے مشائخ کا تزکیہ باطن اور بڑے بڑے علماء و مصلحین کی برسوں کی تربیت ظاہر کرتی ہے ہر جگہ سینکڑوں آدمی متقی، متورع، عابد، متبع سنت اور ربانی بن گئے ہزاروں فاسق، صالح اور اولیاء اللہ ہو گئے بیسیوں آدمی قتل کے ارادے سے آئے اور جانثار بن کر گئے اور گھر بار چھوڑ کر آپ کے ساتھ ہو گئے یہاں تک کہ میدان جنگ میں شہید ہو گئے۔“

رائے بریلی کا قیام:

اس دورے سے واپسی پر چند دن دہلی میں قیام فرمایا اور پھر اپنے آبائی وطن بریلی روانہ ہوئے اس سفر میں بھی مولانا عبدالحیؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ، مولانا محمد یوسف پھلئیؒ، حاجی عبدالرحیم ولایتیؒ، حضرت ابوسعید خلیفہ شاہ غلام علی دہلوی نقشبندی مجددی جیسی عظیم علمی و روحانی شخصیات کے علاوہ ستر، اسی آدمی ہمراہ تھے۔ آپ کو اسی سفر کے دوران اپنے بھائی مولانا سید محمد اسحاق جو فاضل و کامل عالم دین تھے کی وفات کی خبر ملی مگر آپ نے انتہائی صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا اور جماعت کے نظام میں کوئی خلل نہ آنے دیا۔ اپنے وطن بریلی کے اس قیام میں سید شہیدؒ اور آپ کے رفقاء کی کیا مصروفیات تھیں ملاحظہ فرمائیں:

رائے بریلی کا یہ قیام مجاہدہ و تربیت اور جسمانی و روحانی مشغولیت و خدمت کا خاص دور تھا سید صاحبؒ بھی عام لوگوں کے ساتھ شفقت کے کاموں میں شریک ہوتے لکڑیاں

چیرتے، بوجھ اٹھاتے، یہ زمانہ بڑے روحانی و عملی فیوض و برکات کا زمانہ تھا، سید صاحب کا وجود علماء و مشائخ ہندوستان کا اجتماع یکسوئی، یہ سب نعمتیں جمع تھیں، جو کم جمع ہوتی ہیں، ایک غیر معروف چھوٹا سا گاؤں کہکشاں بن گیا تھا جس کی زمین پر چاند کے ساتھ سارے روشن ستارے اتر آئے تھے ہندوستان کے منتخب اور نامور علماء مشائخ مولانا محمد اسماعیل، مولانا عبدالحی، مولانا محمد یوسف پھلتی، حاجی عبدالرحیم ولایتی، شاہ ابوسعید مجددی (خلیفہ حضرت شاہ غلام علیؒ) ایک وقت میں جمع تھے۔

یہ قیام عجیب ذوق و شوق، لذت و حلاوت اور جفاکشی کا تھا اور مہاجرین کے قیام مدینہ منورہ سے بہت مشابہ تھا سید صاحبؒ اور رفقاء جن میں ہندوستان کے جلیل القدر علماء اور صاحب سلسلہ مشائخ تھے بڑے ذوق سے اپنے ہاتھوں سے مشقت کے کام کرتے لکڑیاں چیرتے گھاس چھیلنے اینٹیں تھاپتے، مسجدیں تعمیر کرتے، فاقے اور ہر حال میں خوش رہتے ایک سوز و گداز، ایک محویت و جذب کا عالم تھا کسی کو نہ شکایت تھی نہ افسوس، ان میں اچھے اچھے عالی خاندان، خوش حال رئیس، امیرزادے تھے بہت سے نازک طبع اور ناز پروردہ نوجوان تھے ان کے گھروں میں کسی بات کی کمی نہ تھی بعضوں کے سینکڑوں ہزاروں معتقد و مرید تھے، مگر گھر بار عیش و آرام مشیخت و مخدومیت چھوڑ کر اس در پر پڑے ہوئے تھے اور ہزار درجے خوش تھے۔



قیام وطن کے چند اہم واقعات:

اس قیام میں ایک مرتبہ مولانا عبدالحیؒ نے اہم اصلاحی بیان فرمایا اور اس میں بڑے

بڑے علماء کے خاندانوں میں رواج یافتہ کمزوریاں بھی بیان کیں تب سید شہیدؒ بے تاب ہو کر اٹھے اور مولانا کے سامنے دوزانوں بیٹھ کر ارشاد فرمایا، میں خدا کا بندہ ہوں، اس کا اور اس کے رسول کا تابع ہوں..... اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں، عزیز یوں رشتہ داروں اور امیر و غریب کسی کا پاس نہیں..... میرے تمام رشتہ دار صاف صاف سن لیں کہ جو اللہ و رسول کی اطاعت میں میرے شریک حال ہوں ادائے اوامر و نواہی میں کسی کی طعن و ملامت کا خیال نہ کریں وہ میرے عزیز اور مجھے محبوب ہیں اور جو اس کیلئے تیار نہ ہوں ان کو میری طرف سے جواب ہے اور مجھے ان سے کوئی واسطہ نہیں صاف کہتا ہوں کہ جو اللہ کے راستے میں مستعد ہو میرا شریک ہو اور جو چاہیے مجھ سے جدا ہو جائے۔

احیاء سنت:

سید صاحب کے زمانے میں ایک غلط رسم یہ رواج پا گئی تھی کہ مسلم شرفا کے ہاں نکاح بیوگان کو معیوب سمجھا جاتا تھا اس لئے سید صاحب نے اس متروکہ سنت کے احیا کی عملی و ترغیبی جدوجہد فرمائی اور خود اپنے بھائی مولانا محمد اسحاق صاحب کی بیوہ سے نکاح فرمایا اپنے تمام خلفاء اور شاہ عبدالعزیزؒ کے نام خطوط لکھوائے جن میں اس واقعہ کی اطلاع اور احیاء سنت کی ترتیب تھی آپ کے اس عمل اور ترغیبی خطوط سے اس سنت پر عمل پر شروع ہوا اور پہلے اس کو معیوب سمجھا جاتا یہ غلط تاثر لوگوں کے ذہن سے نکال گیا۔

وطن رائے بریلی کا قیام:

سید شہیدؒ مظفر نگر، سہارنپور، دیوبند، کاندھلہ، نانوتہ وغیرہ علاقوں کے ”تبلیغی و اصلاحی

دورے“ سے واپسی پر دہلی تشریف لائے، کچھ عرصہ وہیں قیام کیا اور شاہ عبدالعزیزؒ کی صحبت و مشاورت سے مزید فائدہ اٹھایا، پھر اپنے آبائی وطن رائے بریلی روانہ ہوئے، شاہ عبدالعزیزؒ سے یہ آخری ملاقات تھی کیونکہ اس کے بعد آپ دو برس تک اپنے مشن کی تکمیل کے لئے سرگرم رہے پھر حج پر چلے گئے اور جس سال حج سے واپسی ہوئی اسی سال شاہ عبدالعزیزؒ نے انتقال فرمایا جس کی خبر آپ کو اپنے وطن میں ملی۔ سفر حج سے پہلے دو سال دو ماہ آپ اپنے وطن رائے بریلی مقیم رہے۔ قیام وطن کے اس عرصے میں آپ نے جو خدمات جاری رکھیں وہ بنیادی طور پر چار قسم کی تھیں۔

۱۔ اطراف و جوانب کے تبلیغی و اصلاحی دورات

۲۔ مختلف طبقات اور افراد کی باہمی کشمکش کو مٹانا

۳۔ رفقاء سفر اور ارادت مندوں کو جہاد کی تیاری پر بطور خاص متوجہ فرمایا

۴۔ متفرق دینی و اصلاحی خدمات

سید شہیدؒ دہلی سے وطن واپس ہوئے تو دیگر رفقاء و مریدین کے علاوہ اہم علمی و روحانی شخصیات بھی شریک سفر تھیں۔ جن میں نمایاں طور پر مولنا عبدالحیؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ، حاجی عبدالرحیم ولایتی (حاجی امداد اللہ مہاجر کیؒ کے دادا پیر) حضرت شاہ ابوسعید نقشبندی مجددی دہلویؒ ہیں۔ وطن واپسی کے دوران سفر آپ کو اپنے بھائی مولنا محمد اسحق صاحبؒ جو بڑے فاضل و کامل عالم دین تھے، شاہ عبدالعزیزؒ ہی کے شاگرد رشید تھے، کے انتقال کی خبر ملی مگر آپ نے انتہائی صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا اور جماعت کے نظام میں کوئی خلل نہ آنے دیا۔ وطن

پہنچتے ہی آپ نے رفقاء کی طاہری و باطنی تربیت اور مجاہدات و ریاضات پر خاص توجہ مرکوز کر لی کیونکہ انہی افراد نے آگے چل کر ”احیاء خلافت اسلامیہ“ کی تحریک میں اپنی آہ سحرگاہی نالہٗ نیم شمی اور اپنے خون سے رنگ بھرنا تھا۔ اصلاح و تربیت کے لئے مولانا عبدالحی و شاہ اسماعیل شہید جیسے نامور عالم دین اور حاجی عبدالرحیم و لایتی و شاہ ابوسعید مجددی جیسے عارف کامل اور اصحاب باطن کی موجودگی و رفاقت بہت بڑی نعمت تھی۔ اور یوں آپ کا یہ چھوٹا سا گاؤں رائے بریلی ایک ہی وقت میں بارونق خانقاہ، آباد دینی مدرسہ، اور مجاہدات سے بھرپور میدان جہاد بنا ہوا تھا۔ خود سید صاحب و عظمیٰ و تبلیغ کے علاوہ مشقت کے کاموں میں بھی اپنے رفقاء کے ساتھ شریک رہتے۔ اسی طرح علماء و مشائخ بھی بڑے ذوق سے مشقت کے کاموں میں حصہ لیتے، لکڑیاں چیرتے، گھاس کاٹتے، اینٹیں تھاپتے، مسجدیں تعمیر کراتے، فقر و فاقے کی نوبت آتی مگر سب ایک محویت و جذب کے عالم میں خوش رہتے۔ نہ کسی کو شکوہ نہ شکایت، اس قیام میں آپ نے جن چار امور پر اپنی توجہ مرکوز رکھی ترتیب وار اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

تبلیغی و اصلاحی دورات:

۱۲۳۵ھ کے اس قیام وطن میں آپ نے الہ آباد، بنارس، کانپور اور سلطان پور کا پہلا دورہ فرمایا۔ اس سفر میں ہمراہیوں کی تعداد ایک سو سترہ کے قریب تھی۔ بریلی سے الہ آباد پہنچنے میں ایک مہینہ سے زیادہ مدت صرف ہوئی، کیونکہ راستے میں جتنے دیہات و قصبات آتے وہاں کے لوگوں کے شدید اصرار کی بنا پر وہاں قیام فرماتے جس سے از حد لوگوں کو نفع

دینی حاصل ہوتا، لوگ داخل بیعت ہو کر بدعات، رسومات اور گناہوں سے تائب ہوتے،
 الہ آباد میں شاہ اجمل الہ آبادی جو مشہور محدث و صوفی مولانا محمد فاخر الہ آبادی کے بھتیجے تھے
 کے ہاں قیام فرمایا۔ صد ہاشرفا اور غربا نے بیعت کی۔ سید شہیدؒ کی یہ ساری سرگرمیاں زور
 شور سے جاری تھیں تو اسی طرح مخالفین، معاندین اور حاسدین جو ہر دور میں اہل حق کے
 مقابلے میں رہے ہیں، کی ریشہ دوانیاں سامنے آتی رہیں۔ اسی قیام الہ آباد میں ایک
 رئیس دھومن خان نے دو آدمی بحث و مباحثہ کے لئے آپ کی خدمت میں بھیجے مقصد یہ تھا
 کہ اس بحث و مباحثہ میں بات آگے بڑھے گی اور جھگڑے کی صورت پیدا ہوگی تو الزام قائم
 کر کے حکومت کے ذریعے سید شہیدؒ اور ان کے قافلے کو شہر سے نکلوا دیں گے، مگر خدا کی
 قدرت کہ وہ دونوں آدمی سید صاحب سے متاثر ہو کر آپ سے بیعت ہو گئے۔ سید شہیدؒ
 نے جب یہ حالات دیکھے تو اہل علاقہ کو فساد و غیرہ کے خطرے سے بچانے کے لئے بنارس
 کی طرف کوچ فرمایا۔ خود بنارس کی مذہبی حالت بھی انتہائی خراب تھی کہ جب سید
 شہیدؒ شہر بنارس سے کچھ فاصلے پر تھے تو آپ نے فرمایا ”اُس شہر میں تاریکی معلوم ہوتی
 ہے“ لوگوں نے کہا کس چیز کی تاریکی ہے؟ آپ نے فرمایا ”کفر و شرک کی تاریکی“
 مسلمانوں کی مذہب سے دوری کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہاں ایک
 ”بادشاہی مسجد“ مدتوں سے ویران پڑی تھی، کوڑا اور گوبر بہت جمع تھا، سید شہیدؒ نے اس
 مسجد کو خوب صاف کروایا اچھی طرح دھلوا یا اور وہیں اپنا قیام فرمایا۔

اس قیام میں بھی بعض عجیب و غریب واقعات پیش آتے رہے، وہاں ایک پیر صاحب

رہتے تھے اکثر لوگ ان کے مرید تھے مگر اصلاح و تربیت جو پیری مریدی کا اصل مقصد ہے غائب تھی اس نے جب سید شہیدؒ جیسا پیر و مرشد دیکھا تو وہاں سے خاموشی کے ساتھ مریدوں کو کچھ بتلائے بغیر کھسک گیا تب اس کے سب مریدوں نے آپ سے رجوع کر لیا، آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پچھلے گناہوں اور غلط رسم و رواج سے توبہ تائب ہوئے، سیرت نگاروں کے مطابق پندرہ بیس ہزار مرد و عورت نے یہاں بیعت کی۔ یہاں آپ اپنے تمام رفقاء کو ذکر جہری و سری کی برابر تاکید فرماتے رہتے اور کہتے کہ یہ شہر کفر و شرک کی ظلمت سے بھرا ہوا ہے، اس کو ”ذکر“ کے انوار سے منور کر دو۔ بنارس سے سلطان پور تشریف لائے، وہاں غلام حسین خاں کے لشکر میں دو ہفتے قیام رہا۔ اکثر سپاہ پیشہ لوگوں نے بیعت کی۔ دو ہفتے کے بعد اپنے وطن واپس لوٹ آئے۔

سید شہیدؒ کے دوروں میں یہ بات خاص طور پر نظر آتی ہے کہ آپ لشکروں میں قیام کو ترجیح دیتے اس کی وجہ بظاہر اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپ اپنے رفقاء کو جہادی ماحول میں لانے اور جہادی ماحول سے شناسائی کرانے کے لئے ایسا کرتے تھے۔ دوسرا اس کا اہم فائدہ یہ ہوتا کہ بہت سے سپاہی اور لشکری بیعت کر کے آپ کے قافلے میں شامل ہو جاتے یا یہ امید ہوتی کہ آئندہ شامل ہو جائیں گے جس سے ”قافلہ جہاد“ کو بہت فائدہ ہوگا اس لئے آپ لشکروں میں قیام کو ترجیح دیتے۔



اسی قیام بریلی ۱۲۳۵ھ میں ایک اہم تبلیغی و اصلاحی دورے کے لئے آپ نے لکھنؤ شہر کا سفر فرمایا۔ اس سفر میں ایک سوسٹر آدمی آپ کے قافلے کے ہمراہ تھے۔ لکھنؤ اس وقت نوابوں کی حکومت میں تھا۔ سید شہیدؒ کی تشریف آوری کے وقت نواب غازی الدین حیدر بادشاہ اور معتمد الدولہ آغا میر منصب وزارت پر فائز تھا۔ لکھنؤ کے لوگ سید شہیدؒ سے نا آشنا اور بیگانہ نہ تھے اس لئے سید شہیدؒ کی آمد کا سن کر بہت خوش ہوئے۔ لکھنؤ کی حالت انتہائی خراب تھی۔ امرا و نواب کی عیش و مستیوں کی وجہ سے عوام میں بھی بیجد بگاڑ آچکا تھا اگرچہ لکھنؤ کی عوام اپنے ذاتی جوہر کی بنا پر بہت خوبیوں کی مالک تھی۔ اس لئے سید شہیدؒ کے پہنچتے ہی لوگوں کا رجوع اور ہجوم شروع ہو گیا۔ صبح سے رات گئے تک لوگ بیعت کے لئے جمع رہتے۔ وعظ زیادہ تر مولنا عبدالحیؒ فرماتے۔ بعض سوانح نگاروں کے مطابق لکھنؤ کے مواعظ میں مولنا عبدالحیؒ نے مکمل ”سورۃ الانبیاء“ کا وعظ دیا۔ تمام انبیاء کے حالات اور ان کی اقوام کے حالات و عادات، نبی کی فرمانبرداری اور اس کے نتائج، نبی کی نافرمانی اور اس کے برے نتائج بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کئے۔ پہلی قوموں اور امتوں میں کیا خرابیاں تھیں اور آج ہم میں کونسی خرابیاں ہیں اس کا موازنہ کیا۔ جس سے سب لوگ کیا عامی اور کیا عالم سب متاثر ہوئے۔ عموماً صبح، دوپہر اور شام کو وعظ جاری رہتا۔ پہلے سید شہیدؒ کا جلد واپسی کا ارادہ تھا مگر جب عوام کا رجوع عام دیکھا تو رک گئے۔ اس دورے میں یقیناً ہزاروں نہیں لاکھوں لوگوں کی اصلاح ہوئی، وہ توبہ تائب ہوئے، ایک کامل پیر و مرشد کے ہاتھوں بیعت سے مشرف ہوئے، علماء و عمائدین سے خوب نشستیں رہیں بلکہ بہت سے علما و

خواص نے بیعت کی جن کے نام یہ ہیں:

مولنا محمد اشرف، مولنا مخدوم صاحب، مولوی امام الدین بنگالی صاحب، مولوی امام الدین لکھنوی صاحب، مولوی عبدالباسط، مولوی ابوالحسن نصیر آبادی، علماء فرنگی محل میں سے مولوی عبداللہ، مولوی رحیم اللہ، ان کے علاوہ مولوی نجیب اللہ، شاہ یقین اللہ۔

سید شہیدؒ کے سفر لکھنؤ میں بہت سے اہل تشیع نے بھی تائب ہو کر سید صاحب سے بیعت کی۔ لکھنؤ چونکہ اہل تشیع کا گڑھ تھا اس لئے یہ چیز انہیں خاص طور پر ناگوار ہوئی۔ حکومت لکھنؤ نے اب مختلف طریقوں سے سید شہیدؒ کو ڈرایا دھمکایا مگر آپ نے ذرہ برابر ان دھمکیوں کی پروا نہ کی اور صاف صاف فرمایا ”خدا کا طالب سنی ہو یا اہل تشیع جو ہمارے یہاں آئے گا ہم اس کو سکھائیں گے“ اس سفر میں وعظ تو اکثر مولنا عبدالحی ہی فرماتے مگر جب کوئی اعتراض کرتا خاص کر کوئی اہل تشیع تو شاہ اسماعیل شہید مولنا کا وعظ رکوا کر ان اعتراضات کا مسکت جواب دیدتے پھر مولنا کا وعظ شروع ہو جاتا۔ اس سفر کے بہت سے اہم اور عجیب واقعات ہیں جنہیں یہاں اختصار کے پیش نظر ترک کیا جا رہا ہے۔ لکھنؤ میں تقریباً پونے دو ماہ قیام کر کے رائے بریلی واپس تشریف لے آئے۔



باہمی کشمکش کو ختم کرانا:

رائے بریلی کے قیام میں سید شہیدؒ اس بات کی بھی خاص کوشش کرتے کہ اگر کہیں مسلمانوں میں لڑائی جھگڑا ہوتا تو احسن انداز سے اسکو ختم کر دیتے یا کہیں سنیوں اور اہل

تشیع کا جھگڑا ہوتا تو وہاں بھی انتہائی حکمت و تدبیر سے اس کشمکش کو فرو کر دیتے۔ اس سلسلے میں واقعات تو بہت سے ہیں مگر مشہور نصیر آباد کا واقعہ ہے۔

نصیر آباد کا یہ قابل ذکر واقعہ غالباً محرم ۱۲۳۵ھ میں پیش آیا۔ نصیر آباد رائے بریلی سے دس بارہ میل کے فاصلے پر واقع ایک قصبہ تھا۔ یہی قصبہ سید شہیدؒ کے آباؤ اجداد کا وطن اور قدیم خاندانی مسکن تھا۔ سید شہیدؒ کی پہلی اہلیہ محترمہ بھی اسی قصبہ کی رہنے والی تھیں۔ پہلے یہاں کی آبادی سنی تھی لیکن جب شاہان اودھ (جواہل تشیع تھے) کی جاگیر میں آیا تو والی ملک کے مذہبی عقائد کا اثر عوام پر بھی پڑنے لگا پھر مولوی دلدار علی جواہل تشیع کے ہاں آخری دور کے جلیل القدر مجتہد مانے گئے اسی قصبہ کے تھے۔ جس وجہ سے سید شہیدؒ کے زمانے میں نصیر آباد کے چار محلوں میں سے تین محلے اہل تشیع ہو چکے تھے صرف ایک محلہ سنیوں کا رہ گیا تھا۔ ۶ محرم کو سید شہیدؒ کو یہ پیغام بذریعہ خط موصول ہوا کہ اس سال اہل تشیع کی آبادی ”اعلانیہ تبراً“ پر تلی ہوئی ہے اور اس خط میں سید شہیدؒ سے مدد و تعاون کی اپیل کی گئی تھی۔ یہ موقع انتہائی نازک تھا کیونکہ وہاں اہل تشیع کی آبادی بھی زیادہ تھی اور سرکار کی سرپرستی بھی تھی، اس موقع پر ان کی راہ میں رکاوٹ بننا گویا براہ راست حکومت سے ٹکر لینا تھا مگر آپ نے اس کی پرواہ نہ کی اور دوسرے دن ستر آدمیوں کے ہمراہ نصیر آباد تشریف لے گئے اور اہل تشیع سے کہلا بھیجا کہ ہم آپ کی مذہبی رسوم کے ادا کرنے میں رکاوٹ نہ بنیں گے، آپ لوگ قدیم معمول کے مطابق علم نکالیں اور ماتم و عزاداری کریں، ہم صرف تبراً کے مخالف ہیں۔ مگر اہل تشیع مولوی دلدار علی کے بھڑکانے و رغلا نے میں آئے ہوئے

تھے اس صلح صفائی کو ماننے کے بجائے بادشاہ بیگم لکھنؤ کی خدمت میں جا کر غلط سلسلہ
 داستانیں سنا کر سنیوں کی سرزنش اور سزا کا حکمنامہ لے آئے، ادھر فقیر محمد رسالہ دار جو سید
 صاحب کے مرید تھے انہیں اس کی خبر ملی وہ وزیر معتمد الدولہ کی خدمت میں گئے، حالات کی
 نزاکت سے آگاہ کی اور بتلایا کہ سید شہید کے ہزاروں، لاکھوں مرید ہیں اگر بادشاہ بیگم
 کے حکمنامے کی وجہ سے حاکم نصیر آباد نے سنیوں اور سید صاحب کے خلاف کوئی قدم اٹھایا
 تو حالات بہت خراب ہوں گے۔ معتمد الدولہ نے سارے حالات سے بادشاہ کو خبردار کیا،
 بادشاہ نے کہا تم جو تدبیر مناسب سمجھو بروئے کار لاؤ۔ انہوں نے ایک دستہ نصیر آباد بھیج دیا
 تاکہ کوئی فتنہ پرداز اشتعال انگیز حرکت نہ کرے۔ جب اہل تشیع کو اس صورتحال کا علم ہوا
 تب وہ بھی صلح صفائی پر آمادہ ہو گئے، یوں سید صاحب کے رعب و حسن تدبیر سے ایک
 صلحنامہ لکھا گیا جس پر جانین نے دستخط کئے اور معاملہ آسانی سے حل ہو گیا۔ کہا جاتا ہے
 کہ نصیر آباد پہنچ کر آپ نے قصبے میں مورچال (جنگی مورچہ) قائم کر دی اور پورے شہر پر
 ایسا فوجی ضبط و نظام قائم رکھا جو آزمودہ کار فوجی تربیت یافتہ اشخاص ہی کر سکتے ہیں اس
 لئے واقعہ نصیر آباد کے بارے میں شاہ اسماعیل شہید نے بہت خوبصورت اور واقعاتی تجزیہ
 کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ ”نصیر آباد کا واقعہ جہاد کا مقدمہ تھا، جس میں لوگوں نے سید
 صاحب کی قیادت اور انتظامی صلاحیت کا پہلی بار جو ہر دیکھے، تائید غیبی اور سید صاحب کی
 مقبولیت کے کھلے واقعات بھی اسی زمانے میں بکثرت پیش آئے جن سے لوگوں کو سید
 صاحب کی وجاہت و مقبولیت کا پورا اندازہ ہوا۔“

جہادی تربیت اور اس کے مقدمات:

لکھنؤ کے دورے کے بعد حج سے پہلے سید شہیدؒ نے اپنے رفقاء سمیت ایک سال تک وطن ہی میں قیام فرمایا اس میں جہادی تربیت و جہادی مشقت کے کاموں پر خصوصی توجہ فرمائی، جنہیں اس بارے میں اشکالات ہوتے ہیں ان کے جوابات دیتے اور مختلف طریقوں سے راہ جہاد میں خود کو وقف کرنے کے لئے رفقاء کی ذہن سازی کرتے رہتے۔

چنانچہ دورہ لکھنؤ ہی کے دوران ایک مرتبہ کچھ لوگ بیعت ہوئے اور آپ سے تبرک کی درخواست کی، آپ نے کچھ روپے برکت کے لئے عطا فرمائے اور نصیحت فرمائی کہ ”اپنے اپنے گھر کی عورتوں کو ہمیشہ تاکید کرتے رہو کہ کسی قسم کا شرک نہ کریں، اور جو اللہ تعالیٰ تم کو روزی کی فراغت دے تو نیت خالص ”جہاد فی سبیل اللہ“ کی رکھنا خواہ جان سے، خواہ مال سے اور جونیت خالص نہ ہوگی تو تمہارے حق میں نقصان ہوگا اس بات کو خوب سمجھ لو“۔

سید شہیدؒ کے اسی قیام میں جہاد کی طرف مشغولیت اور جہاد کا شوق بے حد بڑھ گیا تھا، خود بھی اسلحہ لگاتے تاکہ اپنے عمل سے دوسروں کو ترغیب ہو اور ان میں شوق پیدا ہو۔ لکھنؤ میں آپ نے ایک مرید کو تفنگچہ (بندوق) دیا اور کہا:

”جہاد فی سبیل اللہ کی نیت سے ہتھیار رکھو اور شکم سیر ہو کر کھاؤ، انشاء اللہ کفار کے ساتھ

جہاد کریں گے، تم بھی مشق میں مشغول رہو، اس سے بہتر کوئی فقیری اور درویشی نہیں“

جس طرح آج بھی کتنے مسلمان جن میں سے بہت سے تو بظاہر اچھے خاصے دیندار

ہوتے ہیں مگر ان چیزوں یعنی اسلحہ ساتھ رکھنا، جہادی ٹریننگ کے لئے بھاگنا، دوڑنا،

چھلانگیں لگانا، مختلف قسم کے حربے کرنا، ان کو تقدس اور بزرگی کے خلاف سمجھتے ہیں، یہ وبا اور یہ شیطانی وسوسہ صرف آج کا نہیں ہر دور میں شیطان نے یہ وسوسہ پھیلا کر مسلمانوں کو جہاد سے دور کرنے، مجاہدین کو حقیر ظاہر کرنے اور بدنام کرنے کی کوشش کی۔

اسلحہ سبب خیر و برکت:

اسی قسم کا واقعہ سید شہید گو بھی پیش آیا جب لکھنؤ میں ایک مرتبہ قندھاریوں کی چھاؤنی میں تشریف لے جا رہے تھے تو آپ نے اور آپ کے رفقاء نے ہتھیار باندھے ہوئے تھے۔ ایک مخلص عبدالباقی خان صاحب نے یہ دیکھ کر کہا کہ ”حضرت آپ کی سب باتیں تو بہتر ہیں مگر ایک بات مجھ کو نا پسند ہے اور وہ آپ کے خاندان والا شان کے خلاف ہے آج تک یہ کام کسی نے اختیار نہیں کیا، آپ کو وہی کام زیبا ہے جو آپ کے حضرات آباؤ اجداد کرتے آئے۔ سید صاحب نے پوچھا وہ کون سی بات ہے؟ عبدالباقی خان نے کہا ”یہ سپر، تلوار، بندوق وغیرہ کا باندھنا یہ سب اسباب جہالت ہیں، آپ کو یہ نہ کرنا چاہیے“۔ یہ سنتے ہی حضرت سید شہید کا چہرہ غصے کے مارے سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ ”خان صاحب! اس بات کا آپ کو کیا جواب دوں، اگر سمجھئے تو یہی کافی ہے کہ یہ وہ اسباب خیر و برکت ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو عنایت فرمائے تھے تاکہ کفار و مشرکین سے جہاد کریں اور خصوصاً ہمارے حضرت ﷺ نے اسی سامان سے تمام کفار و اشرار کو زیر کر کے جہان کو دین حق کی روشنی بخشی، اگر یہ سامان نہ ہوتا تو ہم ہوتے نہ تم ہوتے اور اگر ہوتے تو خدا جانے کس دین و ملت میں ہوتے۔“

ان دنوں سید صاحب کو جہاد کا بہت خیال رہتا جسکو مضبوط و توانا دیکھتے، فرماتے یہ ہمارے کام کا ہے، چونکہ اکثر رفقاء سید شہید گوا یک مصلح و مربی اور دیگر پیروں و مرشدوں کی طرح کا ایک کامیاب پیرو مرشد تصور کئے ہوئے تھے اور اس بات سے بے خبر تھے کہ سید شہید درحقیقت ”راہ جہاد“ کے راہی ہیں، اسی میں ان کی زندگی اور موت ہوگی اور ”نفاذ خلافت اسلامیہ کے لئے“ ”احیاء جہاد“ کا انمٹ نقش اول انہی سے قائم ہوگا۔ اس لئے جب رفقاء نے دیکھا کہ فنون حرب و ضرب کی مشق و تعلیم میں انہماک زیادہ ہو گیا ہے زیادہ وقت اسی میں خرچ ہو رہا ہے یہاں تک کہ سلوک کے کاموں میں کمی ہونے لگی ہے تو رفقاء نے اس سلسلے میں سید صاحب سے گفتگو کرنے کے لئے مولوی محمد یوسف پھلپی کا انتخاب کیا انہوں نے سید صاحب سے اس بارے میں گفتگو کی تو آپ نے جواب دیا:

”ان دنوں اس سے افضل کام ہم کو درپیش ہے، اسی میں ہمارا دل مشغول ہے، وہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تیاری ہے، اس کے سامنے اس حال کی کچھ حقیقت نہیں، وہ کام یعنی تحصیل علم سلوک اس کام کے تابع ہے، اگر کوئی تمام دن روزہ رکھے، تمام رات عبادت و ریاضت میں گزارے اور نوافل پڑھتے پڑھتے پیروں میں درم آجائے اور دوسرا شخص جہاد کی نیت سے ایک گھڑی بھی بارود اڑائے تاکہ کفار کے مقابلے میں بندوق لگاتے وقت آنکھ نہ جھپکے تو وہ عابد اس مجاہد کے رتبے کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا، اور وہ کام (سلوک و تصوف) اس وقت کا ہے، جب اس کام (تیاری جہاد) سے فارغ البال ہو، اب جو پندرہ سولہ روز سے نماز یا مراقبہ میں دوسرے انوار کی ترقی معلوم ہوتی ہے، وہ اسی کاروبار کے طفیل سے

ہے، کوئی بھائی جہاد کی نیت سے تیر اندازی کرتا ہے، کوئی بندوق لگاتا ہے، کوئی پھری گدکا کھیلتا ہے، کوئی ڈنڈ پیتا ہے، اگر ہم اس کام کی اس وقت تعلیم کریں، تو ہمارے یہ بھائی اس کام سے جاتے رہیں، یوسف جی! تم خود اپنا حال دیکھو کہ گردن ڈالے ہوئے ایک عالم سکوت میں رہتے ہو، اسی طرح اور لوگ بھی کوئی کمبل اوڑھے مسجد کے کونے میں بیٹھا ہے کوئی چادر لپیٹے حجرے میں بیٹھا ہے، کوئی جنگل جا کر مراقبہ کرتا ہے، کوئی ندی کنارے گڑھا کھود کر بیٹھا رہتا ہے، ان صاحبوں سے تو جہاد کا کام ہونا مشکل ہے، تم ہمارے بھائیوں کو سمجھاؤ کہ اب اسی کام میں دل لگائیں، یہی بہتر ہے، حاجی عبدالرحیم صاحب سے مشورہ کر کے جواب دو۔

مولوی محمد یوسف پھلتی نے حاجی عبدالرحیم ولایتی سے گفتگو کی تو انہوں نے پہلے اپنے احوال بتلائے کہ سید صاحب کی بیعت سے پہلے بھی میں اچھا خاصا سلوک و تصوف کا کام کر رہا تھا بہت سے مرید تھے، مگر سید صاحب سے جب بیعت ہوا تو دل کی حالت ہی بدل گئی تب میں نے سید صاحب کے ساتھ وابستگی کو ہزار نعمت سمجھ کر یہ عزم کیا کہ انہی کے قدموں میں زندگی گزارنی ہے اس لئے اب یہاں کی محنت و مشقت، بکڑیاں اٹھانا، گھاس کاٹنا، اینٹیں بنانا ہر طرح کا کام کرتا ہوں مگر اللہ کے فضل و کرم سے اس کام کی بدولت جو نعمت اور خیر و برکت حاصل ہوتی ہے پہلے معاملات کی خیر و برکت اس کے دسویں حصے کے برابر بھی نہیں ہے..... میری صلاح و مشورہ تو یہی ہے کہ تم لوگ اپنا سارا کاروبار حضرت پر چھوڑ دو..... اپنی ناقص رائے کو اس میں دخل نہ دو۔ چونکہ حاجی عبدالرحیم ولایتی مشہور و مسلم

شیخ طریقت تھے اس لئے ان کی گفتگو سن کر لوگوں کے تمام شکوک و شبہات دور ہو گئے اور وہ دل و جان سے جہاد کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔

سفر ہجرت و جہاد سے قبل رائے بریلی کے آخری قیام میں سید شہیدؒ نے جن چار کاموں پر اپنی توجہ خاص طور پر مرکوز رکھی ان میں چوتھی چیز متفرق دینی و اصلاحی خدمات تھیں۔ دینی خدمات کا ایک رخ تو وہ تبلیغی دورات تھے جو خود سید شہیدؒ مختلف علاقوں میں جا کر بیعت طریقت اور وعظ و نصیحت سے سرانجام دیتے، دوسرا اپنے مختلف خلفاء اور اہل تعلق علماء کرام کو دعوت و اصلاح کی غرض سے اطراف و جوانب اور دیگر علاقوں کی طرف روانہ فرماتے جن سے بے پناہ عوام و خواص فیض یاب ہوتے۔ یہ تمام دورات ایک ایمان پرور بہار کی مانند تھے جہاں جہاں سید شہیدؒ یا آپؒ کے متعلقین قدم رنجہ فرماتے وہاں ایک ایمانی فضا قائم ہو جاتی۔ ان دورات کے علاوہ سید شہیدؒ کی دینی و اصلاحی خدمات کے حوالے سے دو چیزیں قابل ذکر ہیں:

(۱) تعمیر مساجد

(۲) احیاء سنت

یہ تو پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ سید شہیدؒ نے کئی مقامات پر ویران مساجد کو آباد کیا جیسا کہ ایک جگہ جب آپؒ دورے کیلئے تشریف لے گئے تو وہاں کی شاہی مسجد جو مدتوں سے ویران اور بے آباد پڑی تھی آپؒ نے خود اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر اس کی صفائی کرائی، اچھی طرح دھلوا یا اور پھر وہیں قیام فرمایا تا کہ اللہ کا گھر آباد ہو جائے اس کے علاوہ بھی آپؒ نے مختلف محلوں میں مساجد تعمیر کرائیں۔ تعمیر مساجد کی اس مبارک مہم میں سید شہیدؒ خود بھی اپنے رفقاء

کے شانہ بشانہ کام میں حصہ لیتے صاحب ”مخزن احمدی“ نے لکھا ہے کہ ”سید صاحبؒ بھی اپنے رفقاء کی طرح اینٹیں، چونا، کڑیاں، شہتیر اور تختے وغیرہ اٹھا کر معماروں کو دیا کرتے تھے“ احیاء سنن کے سلسلے میں ویسے تو سید شہیدؒ کی ساری تحریک ہی احیاء اسلام اور احیاء سنن کی بنیاد پر مبنی تھی۔ اور آپؒ ہر جگہ بیعت کرنے والوں سے اتباع سنت اور ترک بدعات کا عہد لیتے مگر ایک واقعہ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ واقعہ سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ ترک سنت کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ لوگ کسی فعل کے سنت ہونے کے قائل ہوں مگر سستی اور شیطانی غلبے کی وجہ سے اس پر عمل نہ کرتے ہوں، دوسرے یہ کہ کسی سنت فعل کو معیوب سمجھا جانے لگے اور بڑے بڑے دیندار بھی اس کام کو کرنے میں شرماتے اور ہچکچاتے ہوں۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ تھی کہ اس زمانے میں لوگوں نے نکاح بیوگان کو معیوب سمجھ رکھا تھا۔ تب سید شہیدؒ نے خود اپنے فعل سے اس عمل کو رواج دیا اور اپنے بڑے بھائی مولانا سید محمد اسحاقؒ کی بیوہ سے نکاح فرمایا اور ترغیبی طور پر اپنے تمام متعلقین کو خطوط لکھوائے جس میں ان سے مطالبہ تھا کہ وہ کردار و گفتار سے جس طرح بھی ہو سکے اس رسم بد کو ختم کریں اور لوگوں کو سمجھائیں کہ بیوہ عورت سے نکاح کرنا مرد کیلئے کوئی عیب کی بات ہے اور نہ ہی اس بیوہ کیلئے اس میں کوئی عار ہے۔

سفر حج:

سید شہیدؒ نے جب انتھک محنت و کوشش سے مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کو جہاد میں عملی طور پر شریک ہونے کیلئے تیار کر لیا تب آپؒ نے مرکز جہاد کے طور پر آزاد قبائل کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا اور اپنے تمام رفقاء خاص مولوی محمد یوسف پھلتی، مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ،

مولانا عبدالحی، مولانا شاہ ابوسعید نقشبندی مجددی دہلوی گورائے بریلی سے اپنے اپنے وطن روانہ کر دیا تاکہ یہ سب حضرات اپنے اپنے خاندانی معاملات کے انتظامات طے کر کے پوری یکسوئی اور نہایت دلجمعی کے ساتھ راہ ہجرت اور جہاد میں اپنی خدمات پیش کر سکیں۔ یہ ہجرت کی تیاریاں ہو ہی رہی تھیں کہ اچانک آپؑ نے سفر حج کا اعلان فرمادیا۔ لوگوں نے پوچھا بھی کہ حضرت آپؑ نے تو ہجرت کا ارادہ کر رکھا تھا مگر آپؑ نے فرمایا اب مرضی الہی یہی ہے کہ پہلے حج کیا جائے، سید شہیدؒ نے سفر ہجرت کے بجائے اچانک سفر حج کا ارادہ کیوں کر لیا؟ اس میں دو وجوہات قابل قبول ہو سکتی ہیں۔

(۱) جماعت کی بہتر سے بہتر ترتیب و تنظیم، کیونکہ اس دور میں سفر حج کوئی آسان نہیں تھا بلکہ انتہائی پرخطر اور مشکلات والا سفر تھا۔ اسلئے جماعت مجاہدین کو راہ ہجرت اور جہاد کی سختیوں کو جھیلنے اور احسن انداز میں جماعت کو سنبھالے رکھنے کی عملی مشق کی ضرورت تھی۔ اس عملی مشق کیلئے سفر حج سے بڑھ کر کوئی اور راستہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نکتہ نظر کی بنیاد پر آپؑ نے سفر ہجرت کے ارادے کو ختم کر کے سفر حج کا ارادہ فرمایا۔

(۲) دوسری قابل ذکر اور اہم وجہ یہ تھی کہ اس دور میں بعض علماء نے سمندری خطرات کی بناء پر ہندوستان والوں سے فرضیت حج کے ساقط ہونے کا فتویٰ جاری کر دیا تھا ان کا کہنا یہ تھا کہ آج کل حج کیلئے سمندری سفر کر کے جانا پڑتا ہے اور یہ سفر خطرات سے خالی نہیں ہوتا گویا فرضیت حج کیلئے ”استطاعت“ کی شرط مفقود ہے اس لئے ہندوستان والوں پر حج فرض نہیں۔ سید شہیدؒ نے اس غلط فتوے کی علمی تردید بھی کرائی، مولانا عبدالحیؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اس غلط فتویٰ کا مدلل رد لکھا اور ثابت کیا کہ اتنی بات پر ہندوستان والوں

سے حج کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے بھی اس کی تائید فرمائی اور اسی موقع پر شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے مولانا عبدالحیؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے علمی مقام و مرتبے کا کھل کا اظہار کیا۔ اور انہیں ”تاج المفسرین“ وغیرہ القاب سے یاد فرمایا۔

دوسرا سید شہیدؒ فرضیت حج کی عملی تبلیغ کیلئے خود ایک دعوت عام کے ساتھ سفر حج کیلئے روانہ ہوئے۔ چنانچہ سید شہیدؒ کی اپنی مقبولیت اور شاہ عبدالعزیزؒ کی حمایت کے زیر اثر ایک بہت بڑا قافلہ بے سروسامانی کی حالت میں حج کیلئے آمادہ ہو گیا، پھر یہ قافلہ جس جوش و خروش، شان و شوکت اور شوق و ولولہ سے حج پر روانہ ہو یہ ہندوستان کی تاریخ کا یہ ایک نادر واقعہ ہے۔ ارادہ حج کے بعد سید شہیدؒ نے اپنے خاندان اور رشتہ داروں کو بھی ترغیب دی اور اپنے متعلقین و متوسلین کو دعوتی خطوط روانہ فرمائے، جس میں تحریر فرمایا:

”ہم واسطے اداج کے، بیت اللہ جاتے ہیں، جن جن صاحبوں کو حج کرنا منظور ہوا انہیں اپنے ہمراہ لائیں مگر یہ حقیقت ہر ایک سے واضح کر دیں کہ ہمارے پاس نہ کچھ مال ہے نہ خزانہ، محض اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے جاتے ہیں۔ اس کی ذات پاک سے قوی امید ہے کہ وہ اپنے فضل سے ہماری مراد پوری کرے گا اور جہاں کہیں راستے میں واسطے حاجت ضروری کے خرچ نہ ہوگا وہاں ٹھہر کر ہم لوگ محنت کریں گے، جب بخوبی خرچ جمع ہو جائے گا تب وہاں سے آگے روانہ ہوں گے۔ عورتیں اور ضعیف مرد جو مزدوری کے قابل نہ ہوں گے ڈیروں کی نگرانی پر رہیں گے اور اس خرچ میں کمانے والے اور ڈیروں پر رہنے والے برابر کے شریک ہوں گے۔“

آخر شوال ۱۲۳۶ھ مطابق ۳۰ جولائی ۱۸۲۱ء کو پیر کے دن قافلہ حج رائے بریلی سے روانہ ہوا۔ قافلہ کی تفصیل درج ذیل ہے۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ، اصحاب پھلت اور سہارنپور تقریباً ۲۵۰ افراد

مولانا عبدالحیؒ کا قافلہ تقریباً ۴۰ افراد

سید صاحبؒ کے اقربا تقریباً ۴۰ افراد

دیگر علاقوں کے تقریباً ۱۰۰ افراد

اس طرح کم و بیش چار سو افراد کا قافلہ حج بیت اللہ کے ذوق و شوق میں باوجود انتہائی بے سروسامانی کے اس سفر عشق و محبت پر بزبان حال یہ کہتا ہوا روانہ ہوا

نہ برگ و ساز کی پروا، نہ انتظار رفیق

یہی رہا ہے ازل سے، قلندروں کا طریق

اگر خدا پہ بھروسہ ہے، ہو یگانہ رواں

خدا سے بڑھ کے نہیں برگ و ساز کی توفیق

یہ قافلہ حج، دلمو، الہ آباد، مرزا پور، غازی پور، دانا پور، بنارس اور عظیم آباد سے ہوتے ہوئے کلکتہ قیام پذیر ہوا، یہاں دو تین ماہ قیام فرمایا روزانہ ہزاروں مرد و عورت بیعت ہوتے۔ حتیٰ کہ کلکتہ کے مختلف خاندان کے سرداروں نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص سید صاحبؒ سے بیعت نہ ہوگا اور پابندی شریعت نہ کرے گا ہمیں اس سے اور اس کو ہم سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ یہیں سلطان ٹیپو شہیدؒ کے شہزادگان جو فلسفے میں غرق ہو جانے کیوجہ الحاد میں جا پڑے تھے ان کی اصلاح ہوئی اور سید صاحبؒ سے ملاقات میں وہ توبہ تاب

ہوئے۔

”تبت“ چین کی طرف تبلیغی وفد:

عظیم آباد میں چند تبتی مسلمان (تبت، چین کا علاقہ ہے) حج کرنے کیلئے آپؐ کے انتظار میں تھے ان سے بیعت لینے کے بعد آپؐ نے فرمایا: ہم تم کو خلافت نامہ دے کر جہاں بھیجیں وہاں جاؤ۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم حاضر ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہم تم کو تمہارے ہی ملک بھیجیں گے، وہاں جا کر مسلمانوں کو احکام تو حید و سنت سکھاؤ اور شرک و بدعت سے بچاؤ مگر ایک بات ضرور کرنا کہ کوئی تم کو لکڑی، پتھر، لات، گھونسہ کتنا ہی مارے تم اس پر صبر کرنا اور ان کو کچھ نہ کہنا، اسی طور پر تعلیم و تلقین کرتے رہنا، پھر عنایت الہی سے دیکھنا کہ تھوڑی ہی مدت میں دین اسلام کی کیسی ترقی ہوگی اور وہ سارے ایذا دینے والے خود آ کر تم سے خطا معاف کرائیں گے۔ پھر کئی وقوں میں تو حید و سنت کی تاکید اور شرک و بدعت کے رد کی آیتیں اور حدیثیں لکھ کر دے دیں اور بنام خدا ان کو روانہ کر دیا۔ ان لوگوں نے تبت جا کر بڑی تکلیفیں اٹھائیں لیکن ثابت قدم رہے اور مسلسل دین حق کی تبلیغ و اشاعت میں لگے رہے ان سے بڑا فائدہ ہوا اور ہزاروں آدمی راہ راست پر آ گئے۔

جمادی اولیٰ میں بذریعہ جہاز یہ قافلہ کلکتہ سے ملک عرب کی طرف روانہ ہوا۔ تمام قافلے کیلئے دس جہاز کرایہ پر لئے گئے سب سے آخر میں سید صاحبؒ نے اپنا جہاز رکھا تاکہ آگے والوں کی حوصلہ افزائی ہو اور کسی ناگہانی آفت وغیرہ کی صورت میں ان کی مدد کرنا آسان ہو۔

بیعت جہاد کا آغاز:

سید شہیدؒ کی تحریک کا مطالعہ کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جہاد کی تیاریاں اگرچہ پہلے ایک عرصہ سے شروع کی جا چکی تھیں مگر اس کیلئے باقاعدہ بیعت کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ بلکہ سب سے صرف ”بیعت طریقت“ لی جاتی تھی مگر جب سفر حج میں سید شہیدؒ مکہ معظمہ جاتے ہوئے مقام حدیبیہ پہنچے تو وہاں آپؐ نے اپنے رفقاء سے ”بیعت علی الجہاد“ لی اور یہ پہلی ”بیعت جہاد“ تھی۔ سید صاحبؒ نے اب تک یہ بیعت کیوں نہ لی اور پھر اس کے آغاز کیلئے مقام حدیبیہ کا کیوں انتخاب کیا؟ اس میں جو مصالح اور حکمتیں ہیں وہ کسی صاحب خرد سے اوجھل نہیں۔ ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں صلح حدیبیہ فتوحات کا آغاز تھا اسی سے نیک فال لیتے ہوئے سید شہیدؒ نے اپنے قافلے سے اسی مقام پر بیعت جہاد لی گویا یہ تحریک کا اپنی منزل کی جانب دوسرا اہم اور بنیادی قدم تھا۔ پہلا قدم بیعت طریقت، دوسرا یہ بیعت جہاد اور تیسرا آگے چل کر بیعت امامت پر اپنی منزل پر پہنچے گا۔

پورے سفر حج میں دو سال دس مہینے کی مدت صرف ہوئی اور آخر شوال ۱۲۳۶ھ میں روانہ ہونے والا یہ قافلہ ۲۹ شعبان ۱۲۳۹ھ کو بخیر و عافیت وطن پہنچ گیا۔

سفر ہجرت:

۲۹ شعبان ۱۲۳۹ھ کو جب یہ قافلہ حج واپس وطن پہنچا تو سید صاحبؒ جو کہ بیعت جہاد دوران سفر حج ہی لے چکے تھے اب ہمہ تن جہاد اور ہجرت کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے، اور ہجرت سے قبل تقریباً پورے دو سال کا عرصہ خالص جہادی دعوت اور جہادی مہمات کی تیاری کی مشغولیات میں گزارا۔ اس تمام عرصے کی محنت سے جب مجاہدین کی تعداد دو ہزار کے قریب پہنچ گئی تو سید صاحبؒ نے ۷ جمادی الثانیہ ۱۲۴۱ء پیر کے دن وطن بریلی سے راہ

ہجرت میں گھوڑے ڈال دیئے۔ تمام رفقاء نے سرزمین وطن کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خیر باد کہہ دیا اور ہندوستان کے علاقوں گوالیار، ٹونک، اجمیر سے ہوتے ہوئے سندھ آئے۔ سندھ میں عمرکوٹ، ہوتے ہوئے کارو، میرپور، ٹنڈوالہ یار، ٹنڈو جام کے راستہ حیدر آباد پہنچے۔ امیران سندھ نے مناسب مہمان داری کی، ایک ہزار روپے نقد اور کچھ اسلحہ پیش خدمت کیا مگر شرکت جہاد کی توقعات پوری نہ ہو سکیں۔ یہیں سید شہید کا والی بہاولپور سے بھی رابطہ ہوا۔ مگر عملی طور پر شرکت و معاونت جہاد کیلئے کہیں سے بھی حوصلہ افزا جواب نہیں ملا۔ حیدر آباد سے روانہ ہو کر سید شہید پیرکوٹ میں پیر صغت اللہ شاہ راشدیؒ کے پاس تشریف لیجانے کے عزم سے روانہ ہوئے اتفاق سے دونوں بزرگوں کی ملاقات رانی پور میں ہو گئی۔ پھر انہوں نے سید صاحب کے قافلے کو اپنے علاقے پیرکوٹ میں بلایا اور بڑے اعزاز و اکرام برتا، پورے لشکر کی مہمان داری میں کوئی کمی نہ آنے دی، یہاں تقریباً دو ہفتے قیام رہا، یہاں سے سید صاحب کو کافی حوصلہ افزا جواب ملا بلکہ پیر صغت اللہ شاہؒ (یاد رہے کہ ان کے علاقہ سندھ میں لاکھوں مریدین تھے اور اب انہی کے خاندانی گدی نشین پیر پگاڑو کہلاتے ہیں) تو ساتھ ہی ہجرت کیلئے تیار تھے مگر سید صاحبؒ نے کہانی الحال آپؒ یہیں رہیں مناسب موقع پر آپؒ کو اپنے پاس بلالوں گا۔

پیرکوٹ سے شکار پور، پھر شکار پور سے ۱۴ ذی الحجہ ۱۲۴۱ھ کو یہ قافلہ کوئٹہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ حاکم کوئٹہ اور دیگر بلوچ سرداروں نے کافی خاطر مدارات کی حتیٰ کہ حاکم کوئٹہ نے سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت جہاد بھی کی اور ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گیا مگر سید صاحبؒ نے مصلحتاً روک دیا۔

۱۸ محرم ۱۲۴۲ھ مطابق ۲۲ اگست ۱۸۸۶ء یہ قافلہ کوئٹہ سے قندھار کی جانب روانہ ہوا۔ حاکم کوئٹہ اور معززین شہر تین کوس تک ساتھ گئے، رخصت کے وقت حاکم شہید پر رقت طاری ہو گئی، اس وقت بلوچستان اور قندھار میں کچھ چپقلش چل رہی تھی کوئٹہ سے رخصت ہوتے وقت سید صاحبؒ نے مصالحت کیلئے خصوصی دعا فرمائی تھی جس کا خاطر خواہ فائدہ ہوا اور سید صاحبؒ کے قندھار پہنچنے سے پہلے ہی بلوچستان اور قندھار والوں کی آپس میں صلح ہو گئی۔

۲۸ محرم کو، گویا کوئٹہ سے دس دن کا سفر کر کے یہ قافلہ قندھار پہنچا۔ قندھار والوں نے شاندار استقبال کیا، چند روز قیام میں عوام والہانہ عقیدت کے ساتھ جوش و خروش سے شرکت جہاد کیلئے سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے مگر حاکم قندھار پر دل خاں نا معلوم کیوں اس سے خوفزدہ ہو گیا اور سید صاحبؒ کو جلد سے جلد قندھار چھوڑنے کا حکم دیدیا۔ آخر چھٹے روز سید صاحبؒ قندھار سے نکل کھڑے ہوئے قندھار سے نکلے ابھی دوسری منزل پر ہی پہنچے تھے کہ قندھار سے چار سواشخاص شرکت جہاد کیلئے تیار ہو کر سید صاحبؒ سے آ ملے ان چار سوا افراد میں دو سو ستر (270) مجاہدین منتخب کئے گئے اور سید دین محمد قندھاری کو ان کا سپہ سالار مقرر کیا گیا (پورے سفر ہجرت میں قندھار ہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہاں کے حاکم نے تو سید صاحبؒ کا ساتھ نہ دیا مگر قندھاری عوام نے سید صاحبؒ کی خدمت میں 400 سوا افراد پیش کر دیئے اگرچہ ان میں جہاد کیلئے 270 افراد کو منتخب کیا گیا مگر ایسا تعاون اور کسی شہر کی عوام نے نہیں کیا۔)

سید شہیدؒ یہ لمبا سفر کاٹ کر اصل میں آزاد قبائل پشاور اور اس کے گرد و نواح کو مرکز بنانا

چاہتے تھے تاکہ وہیں سے پنجاب کے سکھوں سے بھی بچا جائے اور انگریزوں کے خلاف بھی تحریک کو مضبوط کیا جائے۔ جب قندھار سے روانہ ہوئے تو حاکم کابل اور حاکم غزنی کے نام راہداری کیلئے ایک خط لکھا جس میں صاف صاف آپؐ نے اپنے مقاصد پر روشنی ڈالی ہے۔

اس خط میں تحریر فرماتے ہیں:

”ہم ہندوستانی مسلمانوں نے ہندوستان کے کفرستان سے تنگ آ کر جہاد کے ارادے سے ہجرت کی۔ مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دیتے اور حضرت سید المرسلین ﷺ کی ملت بیضاء کی تائید پر آمادہ کرتے ہوئے رضائے باری تعالیٰ کے شوق میں لمبی مسافت طے کر کے آپ کے بلاد میں پہنچ گئے ہیں۔ مدعا یہ ہے کہ اس طرح یوسف زئی میں پہنچ جائیں جو پشاور کے حوالی میں ہے۔ مروت و دانائی کا لازمہ یہ ہے کہ دل میں کسی قسم کا وسوسہ نہ لائیں۔ ہمارے پہنچنے سے پہلے اجازت نامہ بھیج دیں تاکہ ہم کھٹکے کے بغیر ان حدود سے منزل مقصود کی طرف روانہ ہو جائیں۔“

اس خط کے بعد حاکم غزنی و کابل دونوں کی طرف سے اجازت نامہ موصول ہو گیا، پہلے آپ مع قافلہ کے غزنی پہنچے وہاں صرف دو دن قیام کیا اور کابل کی جانب چل دیئے، کابل میں کم و بیش ڈیڑھ ماہ تک قیام رہا۔ جس کا بنیادی مقصد امداد و اعانت حاصل کرنا اور اہل کابل کے اندرونی اختلافات کو ختم کر کے باہم اتحاد و اتفاق کی فضا پیدا کرنا تھا۔ البتہ قابل افسوس بات یہ ہے کہ سید صاحبؒ کی ان کوششوں کے باوجود ان کے باہمی اختلافات ختم نہ ہو سکے۔ بالآخر وہاں سے روانہ ہو کر اواخر نومبر ۱۸۲۶ء میں سید شہید کا یہ قافلہ پشاور پہنچا۔

ان دنوں پشاور میں یار محمد خاں، پیر محمد خاں، سلطان محمد خاں اور سید محمد خاں برسر اقتدار تھے۔ بریلی سے پشاور تک اندازاً تین ہزار میل کا طویل اور پر صعوبت و مشقت سفر دس ماہ کی مدت میں مکمل ہوا۔ پشاور میں چند روز قیام فرما کر ہشت نگر اور خوشگئی سے ہوتے ہوئے اور جہاد کی تبلیغ کرتے ہوئے نوشہرہ پہنچے۔

سرحد و پنجاب کی حالت:

سید شہید جب جہاد کیلئے سرحد ہجرت کر کے آئے تھے اس وقت ہندوستان کی حالت تو معلوم ہو چکی کہ وہاں انگریز کا تسلط اور غلبہ روز بروز جانب عروج محو سفر تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ ہندوستان جس کی اسلامی سلطنت کا رقبہ ایک طرف ایران اور دوسری طرف افغانستان کی سرحدات تک پھیلا ہوا تھا۔ مگر مغلوں کی آخری اسلامی سلطنت اس وقت بالکل کمزور اور گویا معدوم ہو چکی تھی۔ اس لئے ہندوستان پر انگریزوں کا غلبہ ہو گیا اور ۱۷۹۹ء میں پنجاب پر رنجیت سنگھ سکھ سردار کی حکومت قائم ہو گئی۔ اور ۱۸۰۹ء میں انگریزوں کے ساتھ عہد نامہ کر کے وہ سرزمین پنجاب کا مطلق العنان حاکم بن بیٹھا۔ رنجیت سنگھ کی حکومت کوئی باقاعدہ حکومت نہ تھی بلکہ ایک طرح کا فوجی غلبہ و تسلط تھا جو ظلم و جور اور غارت گری کے ذریعے قائم کیا گیا تھا۔ اسی طرح سرحد بھی باقاعدہ تو اس کے زیر تسلط نہ تھا مگر وہاں آئے روز ان کی وحشت اور بربریت کا مظاہرہ ہوتا رہتا تھا اس لئے تمام بارک زئی سردار اور سرداران پشاور یار محمد خان وغیرہ رنجیت سنگھ کو باقاعدہ خراج ادا کرتے تھے۔ کچھ یہی حال کشمیر کا بھی تھا۔ مختصر یہ کہ مسلمانان پنجاب و سرحد، انگریزوں کی پشت پناہی، مکر و حیلہ سازی اور سکھوں کے براہ راست ظلم و جور کی چکی میں پس رہے تھے اور اس

سے نجات کی کوئی صورت نہیں بن رہی تھی۔ اس لئے جب سید شہیدؒ کا قافلہ وہاں پہنچا اور اہل سرحد کو معلوم ہوا کہ یہ قافلہ بغرض جہاد آیا ہے تو وہ جوق در جوق سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور سید شہیدؒ جہاں جاتے لوگ دورو یہ قطار بنا کر آپؒ کا استقبال کرتے۔

جہاد کا آغاز:

نوشہرہ پہنچ کر حضرت سید صاحبؒ نے حکومت لاہور کو مندرجہ ذیل شرعی اعلام نامہ تحریر فرمایا:

۱..... یا تو اسلام قبول کر لو، اس وقت ہمارے بھائی اور ہمارے مساوی (برابر) ہو جاؤ گے لیکن اس میں کوئی جبر نہیں،

۲..... یا ہماری اطاعت اختیار کر کے جزیہ دینا شروع کرو، اس وقت ہم اپنے جان و مال کی طرح تمہارے جان و مال کی حفاظت کریں گے،

۳..... آخری بات یہ کہ اگر تم کو دونوں باتوں میں کوئی قبول نہیں، تو لڑنے کیلئے تیار ہو جاؤ، مگر یاد رکھو سارا یاغستان اور ملک ہندوستان ہمارے ساتھ ہے اور تم کو شراب کی محبت اتنی نہ ہوگی جتنی ہم کو شہادت کی ہے۔

پہلا معرکہ:

سید احمد شہیدؒ کی جماعت ۱۹ دسمبر ۱۸۲۶ء کو نوشہرہ پہنچ گئی۔ دوسری طرف بدھ سنگھ کا لشکر اکوڑہ پہنچ چکا تھا جو نوشہرہ سے سات، آٹھ میل کے فاصلے پر دریائے لندھا کے مغربی کنارے واقع ہے۔ مقابلہ کیلئے حالات کا جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ سکھوں کے لشکر کی تعداد سات

آٹھ ہزار ہے جبکہ مجاہدین کی تعداد بمشکل پندرہ سو تھی، سکھ لشکر سامان جنگ اور توپ خانے سے پوری طرح مسلح تھا اور مجاہدین کے پاس اسلحہ نہ ہونے کے برابر، اسلئے فیصلہ ہوا کہ دشمن پر شب خون (گویا گوریلا کارروائی) کی جائے تاکہ مجاہدین کو کم سے کم اور دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچے۔

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ء کو نماز مغرب کے بعد آپؐ نے اللہ بخش خاں صاحب کو ۹۰ افراد کے دستے کے ہمراہ امیر مقرر کر کے مناسب ہدایات دے کر دشمن پر شب خون مارنے کیلئے روانہ کیا اور روانگی سے قبل گیارہ مرتبہ سورۃ لایلاف قریش پڑھنے کا وظیفہ بتلایا اور رخصت کرنے کے بعد سید شہیدؒ نے انتہائی دردمندی اور عجز و انکساری کے ساتھ مجاہدین کی کامیابی اور فتح کیلئے دعاء فرمائی۔ سکھوں کا لشکر دریا پار تھا، مجاہدین نے مختلف ٹولیوں کی شکل میں دریا پار کر کے چاروں طرف سے دشمن پر حملہ بول دیا اور سکھ بدحواسی کے عالم میں کچھ نہ سمجھ سکے کہ کیا ہو گیا اور نہ مقابلہ کی مناسب تدبیر کر سکے اس لئے مجاہدین نے بڑی جاں فروشی کے ساتھ سکھوں کو تہ تیغ کرنا شروع کیا اور صبح صادق کے وقت مجاہدین واپس روانہ ہوئے۔ اس معرکہ میں مجاہدین میں سے (۸۲) بیاسی مجاہدین شہید ہوئے جن میں ۳۶ ہندوستانی اور ۴۶ قندھاری تھے اور چالیس مجاہد زخمی ہوئے جبکہ دشمن کے سات سو فوجی مارے گئے۔

حضور پر چھاپہ اور بیعت امامت:

اکوڑہ کی جنگ مجاہدین کی واضح کامیابی تھی اس لئے اہل سرحد اور خوانین جو پہلے ان مجاہدین کی طرف سے کچھ ہچکچاہٹ کا شکار تھے اب خود آگے بڑھ کر سید صاحبؒ کا ساتھ

دینے لگے اس لئے اکوڑہ کی جنگلکے بعد اس علاقہ کے سردار اور خوانین نے مشورہ دیا کہ یہاں سے کچھ دور حضور کی بستی ہے جو سکھوں کی عملداری میں ایک بڑی تجارتی منڈی ہے اگر اس پر چھاپہ مارا جائے تو بہت مال غنیمت ہاتھ آ سکے۔ سید صاحبؒ خود تو اس پر آمادہ نہ ہوئے کیونکہ یہ مقاصد جہاد سے مطابقت نہ رکھتا تھا لیکن اہل سرحد کے اصرار پر یہ کام ان اہل سرحد ہی کے حوالے فرمایا۔ لوگوں نے رات کو چھاپہ مارا مگر صبح کو منظر یہ دیکھا گیا کہ اہل سرحد کا یہ گروہ مال غنیمت کی گھڑیاں لادے چلا آ رہا ہے اور پیچھے سکھ سوار بندوقیں چلاتے ہوئے تعاقب کر رہے ہیں یہ دیکھ کر سید شہیدؒ نے مجاہدین کی ایک جماعت سکھوں کے مقابلے کیلئے روانہ کی جس نے آگے بڑھ کر سکھوں کو روکا اور وہ تعاقب چھوڑ کر واپسی کی راہ لینے پر مجبور ہو گئے۔

اس چھاپہ سے ظاہر ہوا تھا کہ ملکی (اہل سرحد) لوگ کسی ضابطہ اور نظام کے پابند نہیں ہیں اور جنگ کے موقع پر لوٹ مار میں لگ جاتے ہیں جس سے جہاد کا نظام بری طرح متاثر ہوتا ہے اس لئے علماء لشکر اور خوانین و سرداروں کا اتفاق ہوا کہ سب سے پہلے اپنا ایک امیر لشکر مقرر کر لیا جائے تاکہ اس کی قیادت و امامت میں شرعی جہاد ہو، محض بلوہ اور لوٹ مار نہ ہو۔ منظم جنگ ہو مال غنیمت کی شرعی تقسیم ہو، جو نافرمانی کرے وہ باغی اور جماعت سے خارج ہو اور اس کو سزا دی جائے۔ چنانچہ ۱۲ جمادی الثانی ۱۲۳۲ھ مطابق ۱۱ جنوری ۱۸۲۷ء کو جمعرات کے دن موضع ہنڈ کے شمالی تالاب کے کنارے ہندوستان و سرحد اور قندھار کے ہزاروں مسلمانوں نے جن میں علما کرام، صوفیاء عظام، امرا و خوانین اور عوام و خواص سبھی شامل تھے سید صاحبؒ کے دست حق پرست پر بیعت

امامت کر لی اور اگلے دن جمعے کے روز سے خطبہ جمعہ میں سید شہیدؒ کا نام پڑھا جانے لگا۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے سید شہیدؒ کی تحریک پر قلم اٹھانے والے بعض حضرات نے سید شہیدؒ کی بیعت امامت کو تسلیم نہیں کیا، ان کے نزدیک سید شہیدؒ نے صرف بیعت جہاد لی تھی اور وہ اس بیعت امامت کو بھی بیعت جہاد قرار دیتے ہیں حالانکہ سابقہ واقعات اور خود اس بیعت کی نوعیت بتلا رہی ہے کہ یہ بیعت امامت تھی اور سید شہیدؒ کو باقاعدہ ”امیر المؤمنین“ کا درجہ اور خطاب دیدیا گیا تھا اور اسی لئے جمعے کے خطبے میں سید شہیدؒ کا نام شامل کر لیا گیا تھا۔

دوسری بات یہ کہ جب سید شہیدؒ نے اکوڑہ میں سکھوں سے پہلا معرکہ لڑا اور اس میں کامیابی ہوئی تو خوانین سمہ میں سے خادے خان رئیس ہنڈ اور اشرف خان رئیس زیدہ بیعت سے مشرف ہوئے تھے اور خادے خاں نے ہنڈ کے مقام کو مجاہدین کا مستقر اور مرکز بنانے کی درخواست کی تھی تاکہ مجاہدین وہاں بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ اقدامات کی مناسب تیاری کر سکیں جو سید شہیدؒ نے قبول فرمائی تھی اور یوں مقام ہنڈ کو جماعت کا مرکز بنا دیا گیا تھا اور اب چھاپہ حضرو کے بعد باقاعدہ بیعت امامت لے لی گئی۔ مرکز جہاد کے تعین اور بیعت امامت کے بعد لوگ نے گروہ درگروہ اور فوج در فوج جہاد میں شمولیت کے لئے آنے لگے۔ بڑے بڑے خوانین، رؤساء اور سرداران قبائل سید صاحبؒ کے حلقہ اطاعت میں داخل ہو گئے، سرداران پشاور جو بیعت تو پہلے بھی کر چکے تھے مگر ان حالات کو دیکھ کر دوبارہ اطاعت و فرمانبرداری کے پیغامات روانہ کئے اگرچہ مخلصین نے ان کی اطاعت کو مکرو فریب اور موقع پرستی پر مبنی قرار دیا لیکن سید صاحبؒ کے پاس ان کی پیش کش

کو رد کرنے کیلئے کوئی وجہ نہ تھی دوسرا یہ کہ اس رد و انکار سے ان کی طرف سے دشمنی، عدم تعاون اور جماعت مجاہدین کو نقصان کا اندیشہ تھا اس لئے سید شہیدؒ نے ان کی پیش کش کو رد نہیں فرمایا۔ غرض بیعت امامت کے بعد کم و بیش دو ماہ کی مدت میں جماعت مجاہدین کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز ہو گئی۔ اس بڑی تعداد کی فراہمی میں زیادہ حصہ فتح خاں پنجتاری، اشرف خاں رئیس زیدہ، خادے خان رئیس ہنڈ اور امیر احمد خاں باجوڑی کا تھا۔

بیعت امامت کے بعد حضرت سید صاحبؒ نے پوری وضاحت سے اعلان کیا کہ سب کو امام کی مکمل اطاعت کرنا ہوگی، شریعت پر پوری طرح عمل کرنا ہوگا، غیر شرعی رسوم اور رواج چھوڑنے پڑیں گے، اور اس کے لئے ہر طرح کی قربانی دینا ہوگی۔

اس بیعت امامت کی اطلاع پورے ملک میں تمام سرداروں اور روساء علماء اور عوام کو کی گئی اور بذریعہ مکتوبات ہندوستان کے علاقوں میں یہ اطلاع بھیجی گئی۔

سید احمد شہیدؒ کا ایک اہم خط:

اس سلسلہ میں حضرت سید صاحبؒ کے ایک خط کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے جس سے اس مقصد عظیم کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم ۵

اہل انصاف و ہدایت سے پوشیدہ نہیں کہ اہل کفر و ضلال کے ساتھ جنگ و جدال اور قتل و قتال ہوتا ہے اگر محض مال و عزت اور حکومت و ریاست حاصل کرنے کے لئے ہو، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا کچھ اعتبار نہیں اور اگر نصرت دین اور اعلاء کلمۃ اللہ اور ترویج سنت نبوی ﷺ کے لئے ہو، تو اس کی عرف شرع میں جہاد کہتے ہیں اور وہ تمام عبادات میں

افضل اور تمام طاعات سے اکمل ہے کہ کوئی عبادت، رفع درجات و تکفیر سینات میں اس کے مساوی نہیں جیسے کہ آیہ کریمہ:

و فضل الله المجاہدین علی القاعدین اجرا عظیما درجات منه ومغفرة
ورحمة

سے معلوم ہوتا ہے۔

پس اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ فرض قانون شریعت کے مطابق ادا کیا جائے، تاکہ آخرت میں وسیلہ نجات اور دنیا میں مشر ثمرات اور نزول رحمت یزدانی اور تائید آسمانی کا باعث ہو، جہاد کے لئے سب سے بڑی شرط امام کا مقرر کرنا ہے۔ چنانچہ آیت ہے

اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الامر منکم اور

ولورودہ الی الرسول والی اولی الامر منکم

اور حدیث میں ہے:

من لم یعرف امام زمانه فقد مات میتة جاهلیة.....

اسی طرح بے شمار آیات و احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں اور چونکہ اقامت جہاد اور ازالہ کفر و فساد اس زمانہ میں کہ اہل کفر و طغیان کی شورش کا زمانہ ہے، عام مسلمانوں کے ذمہ واجب و موکد ہو گیا ہے، پس امام کا مقرر کرنا بھی ان پر واجب و موکد ہے۔

اللہ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے اپنے فضل سے اس فقیر یعنی سید احمد کو پہلے ارشادات غیبی و الہامات الاریبی سے اس منصب شریف کی بشارت دی، پھر مومنین صادقین، سادات و علماء عظام، مشائخ کرام، خوانین عالی مقام اور خواص و عام کی ایک جماعت کثیر کا دل

مائل کر کے مجھ کو اس منصب شریف سے مشرف فرمایا، چنانچہ بروز پنجشنبہ بتاریخ ۱۲ جمادی الاخری ۱۲۴۲ھ مخلص مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے جس میں خادے خاں، اشرف خاں، فتح خاں، سعادت خاں، بہرام خاں اور علماء و سادات و خوانین تھے اس فقیر کے ہاتھ پر بیعت امامت کی اور فقیر کو اپنا امام قرار دیا اور اس کی امامت و ریاست کو تسلیم کیا اور اطاعت کا حلقہ اپنی گردنوں میں ڈالا، اسی مہینہ کی ۱۳ تاریخ کو جو جمعہ کا دن تھا خطبہ میں فقیر کا نام داخل کیا، انشاء اللہ عنقریب اس سنت کی ادائیگی کی برکت سے مظفر و منصور ہوں گے۔

ان مسلمانوں کو بھی جو یہاں موجود نہیں، لازم ہے کہ جہاد کیلئے اور کفر و فساد کو مٹانے کیلئے کمر ہمت باندھیں، اس کے نابوں مثلاً سعادت مآب کمالات انتساب اخوی اعزی شیخ صابر صاحب کے ہاتھ پر بیعت کریں اور پوری توجہ و دلچسپی اور بلند ہمتی سے جہاد میں مشغول ہوں اور فقیر کے نام کا خطبہ پڑھیں تاکہ کفار سے جنگ اور جمعہ و عیدین کی نماز مشروع طریقہ پر ہوں اور دنیا و آخرت میں ثمرات جلیلہ اور اجور جزیلہ کی موجب ہوں۔“

معمر کے شیدو:

بیعت امامت کے بعد مارچ ۱۸۲۷ء کے پہلے ہفتے میں سید صاحب جماعت مجاہدین کو لیکر نوشہرہ پہنچے جہاں سے بدھ سنگھ کے لشکر پر حملہ کرنے کا منصوبہ تھا۔ سکھ لشکر اکوڑہ سے چار میل جنوب میں شیدو کے مقام پر خیمہ زن تھا اور اس کی تعداد 30، 35 ہزار کے لگ بھگ تھی جبکہ لشکر اسلام کی تعداد کم و بیش ایک لاکھ تھی اور اگر غدر و خیانت کے وہ افسوسناک واقعات پیش نہ آتے جنہوں نے سید صاحب کی تحریک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا تو

آج برصغیر کی تاریخ بالکل مختلف ہوتی۔ تمام خوانین اور سرداران سرحد سے صلاح و مشورہ کے بعد طے پایا کہ متحدہ قوت کے ساتھ سکھوں پر ضرب کاری لگائی جائے چنانچہ ایک طرف تو اشرف خان اور خادے خاں نے اپنے اپنے حلقوں میں تحریک جہاد کو منظم کیا دوسری طرف سید صاحب نے امرا و سلاطین اور ہندوستان میں اپنے مخلصین کو دعوتی خطوط روانہ فرمائے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

”کام کا وقت سر پر آ پہنچا، پس ہر راسخ الاعتقاد مومن اور ہر اطاعت گزار مسلم کیلئے لازم ہے کہ جس طور بھی ممکن ہو فقیر کے پاس پہنچ کر جماعت مجاہدین میں منسلک ہو جائے“

اس معرکے میں سکھوں کا لشکر گاؤں کے جنوب مغرب میں اور سید صاحب کا لشکر دریا کے مغربی کنارے ایک کھلے میدان میں خیمہ زن ہوئے۔ لشکر اسلام ہلالی شکل میں صف بستہ ہوا۔ سکھوں کی فوج اور لشکر اسلام میں ایک خشک نالہ حد فاصل تھا، اسی نالے میں سکھوں کے کچھ دستوں نے مورچے بنائے تھے، یہاں لڑائی میں مسلمانوں نے اول وہلہ میں ہی سکھوں پر غلبہ پالیا اور سکھ فوجیں سر اسیمگی کے عالم میں شکست کھا کر بھاگنے لگیں مگر وہی مسلمانوں کی غداری یہاں بھی ناسور بن کر واضح فتح کو شکست میں بدل گئی عین موقع پر یار محمد خاں والئی پشاوَر میدان سے فرار ہو گیا اور چونکہ یہ تمام سرداروں کا سرخیل شمار ہوتا تھا اس لئے دیکھا دیکھی دوسرے سردار اور ان کے لوگ بھی میدان سے رخ موڑ کر چلے گئے جبکہ ہندوستانی اور قندھاری مجاہدین ڈٹ کر بے جگری اور نہایت اخلاص سے مقابلہ کرتے رہے اس لئے اس معرکے میں 600 ہندوستانی اور قندھاری شہید ہوئے حالانکہ اس معرکے میں کل ہندوستانی اور قندھاری 800 تھے۔

یہاں سردار یار محمد خاں والئی پشاور کی طرف سے دو اندوہناک واقعات پیش آئے ایک تو وہ سید صاحب کیلئے جو کھانا بھیجتا تھا ایک دفعہ اس میں زہر ملا دیا گیا تھا جس سے سید صاحب کی طبیعت کافی عرصہ تک خراب رہی، دوسرے میدان جنگ سے فرار۔

غرض غداری کی وجہ سے لشکر شکست کے بعد باڑے، گوجر گڑھی سے ہوتے ہوئے چنگلی پہنچے، پنجتار، تور اور دیگر مقامات کے مجاہدین کو بھی یہیں بلا لیا گیا، یہاں مجاہدین انتہائی عسرت اور تنگ دستی کی حالت میں تھے سینکڑوں غازیوں میں بمشکل سات آٹھ آدمی ہوں گے جو تندرست تھے باقی سب مختلف عوارضات اور بیماری وغیرہ میں مبتلا تھے لیکن ابتلاء و آزمائش کی ان صبر آزمائوں میں صبر و شکر کے پیکر بنے ہوئے تھے کسی کی زبان پر حرف شکایت آیا نہ کسی کے پائے ثبات میں لغزش آئی تھی۔

بونیر و سوات میں دعوت جہاد:

کم و بیش ایک ماہ تک چنگلی میں قیام کرنے کے بعد جب مجاہدین اور سید صاحب کی حالت سدھر گئی تب آپ غازیوں کی ایک جماعت کے ساتھ بونیر و سوات کے علاقوں میں دعوت جہاد کے دورے پر روانہ ہوئے جو غازی صحت یاب نہیں ہوئے تھے ان کی دیکھ بھال کیلئے شیخ ولی محمد پھلتی کو مقرر کیا اور ہدایت کی کہ جو صحت یاب ہوتے جائیں انہیں ہمارے پاس روانہ کر دیں۔ سید صاحب چنگلی اور وادی چملہ کے درمیانی پہاڑ کو عبور کر کے امبیلہ، ناواگئی اور کوگا کے مقامات سے گزر کر بونیر کے مقام تختہ بند میں قیام پذیر ہوئے، مولانا شاہ اسماعیل اور شیخ سعد الدین پھلتی یہاں پہنچ کر بیمار ہو گئے۔ سید صاحب ان دو حضرات کو یہیں چھوڑ کر خود جماعت کے ساتھ سوات کی طرف روانہ ہو گئے۔ دریائے

سوات کو عبور کر کے چکدرہ تشریف لائے اور ۱۲۴۲ء میں عید الفطر کی نماز یہیں کوئی گرام میں
ادافرمانی

مولانا محمد یوسف پھلتی کی رحلت:

اور اسی مقام پر سید صاحب کے معتمد خاص اور لشکر کے قطب اور ناظم اعلیٰ مولانا محمد
یوسف پھلتی نے سخت بیماری کی حالت میں رحلت فرمائی جب سید شہید کو آپ کی رحلت کی
خبر ملی تو انتہائی صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا اور اتنا فرمایا:

”یہ دنیا بڑی سخت جگہ ہے، جو یہاں سے ثابت قدم گیا وہی خوش نصیب ہے“

سید شہید چونکہ اس بستی سے آگے روانہ ہو چکے تھے اس لئے میت وہیں اپنے ہی پاس
منگائی، خود نماز جنازہ پڑھائی اور مولانا شاہ اسماعیل شہید سے فرمایا:

”مولانا یوسف لشکر اسلام کے قطب تھے، آج یہ لشکر اپنے قطب سے خالی ہو گیا“

یہاں سے چل کر سید صاحب بمع قافلہ مینگورہ کے اخوند میر کے یہاں قیام پذیر ہوئے
پھر وہاں سے چارباغ پہنچے یہیں اطلاع ملی کہ مولانا عبدالحی کا قافلہ چکدرہ پہنچ گیا ہے آپ
نے اپنی خاص سواری ان کیلئے بھیج دی اور خود بھی لب دریا تک استقبال کیلئے تشریف لے
گئے۔ چارباغ میں بقرعید کا چاند نظر آ گیا، یہیں سے واپسی کا قصد فرمایا اور ذی الحجہ کی نویں
تاریخ کو پنجتار واپس پہنچ گئے۔

سید صاحب کا یہ دورہ انتہائی کامیاب رہا اور خود سید صاحب نے بھی مختلف مقامات پر
اس کا اظہار کیا۔ واپسی پر جماعت مجاہدین کی حالت کافی سنبھل گئی تھی۔ نیز ہندوستان سے
آنے والے تازہ دم قافلوں کی آمد سے لشکر کی قوت و طاقت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ یوسف

زنی قبائل امداد و تعاون کیلئے ہمہ وقت تیار تھے۔ افغانستان کے غلزئی روسا بھی تعاون کا یقین دلا چکے تھے، والئی چترال شاہ سلیمان پہلے ہی خط و کتابت میں وعدہ کر چکا تھا کہ جب بھی آپ کشمیر کا رخ کریں گے میں فوج لیکر گلگت کے راستے آملوں گا علاوہ ازیں سلطان محمد خان اور سید محمد خان اپنے بھائی یار محمد کی حرکت پر ندامت و شرمندگی کا اظہار کر چکے تھے اس لئے بظاہر یار محمد خان کی غداری سے جو نقصان ہوا تھا اس کی کچھ تلافی ہو چکی تھی اور ہزارہ قبائل جو سکھوں کی لوٹ مار اور ظلم و ستم سے تنگ تھے انہوں نے بھی سید صاحب کے دامن سے وابستہ ہونے میں عافیت دیکھی۔ ان حالات میں سید صاحب نے ہزارہ کو مرکز بنا کر سکھ جرنیل ہری سنگھ سے ٹکر لینے کا فیصلہ کیا۔ انہی دنوں ڈمگلہ اور شنکیاری کے معرکے پیش آئے۔

ڈمگلہ میں مجاہدین کی تعداد تین، چار سو اور باقی مقامی لوگ ملا کر ڈیڑھ ہزار تھی شاہ اسماعیل شہید نے سید مقیم رامپوری کو اس قافلے کا سالار بنایا اور مولانا خیر الدین شیر کوٹی مشیر اور نائب سالار مقرر ہوئے۔ اس معرکے میں بھی مقابلہ صرف تین چار سو افراد نے کیا باقی چھپ گئے البتہ جب مجاہدین غالب ہوئے تو وہ مقامی لوگ جو چھپ گئے تھے باہر نکل کر بجائے مقابلہ کرنے کے مال جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اس معرکہ میں چند مجاہدین شہید دو تین زخمی ہوئے اور سکھ لشکر کے تین سو کے قریب مقتول ہوئے، شاہ اسماعیل اپنے چند رفقاء کے ساتھ شنکیاری میں ٹھہرے ہوئے تھے سکھوں کو پتہ چلا تو انہوں نے موقع غنیمت جان کر ان چند مجاہدین پر ہلہ بول دیا شاہ اسماعیل نے اپنے بارہ مجاہدین کے ساتھ سکھوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور حیرت انگیز طور پر سکھوں کے دوسو کے قریب

لشکری مارے گئے جبکہ شاہ صاحب کے تمام رفقاء سلامت رہے۔

ہندوستان سے قافلوں کی آمد:

سید شہید کی تحریک ایک منظم و مربوط جماعت تھی۔ سید شہید نے ہجرت کے بعد ہر طرف سے رابطہ منقطع کرنے کے بجائے ان تمام مقامات سے رابطہ استوار رکھا جہاں سے اس تحریک کی کامیابی میں کسی بھی قسم کی مدد متوقع تھی اور ہندوستان تو امیدوں کا مرکز تھا اور خود سید شہید نے بہت سے خلفاء ہندوستان میں چھوڑے ہی اس لئے تھے جو پیچھے رہ کر دعوت جہاد کے کام کو آگے بڑھائیں تاکہ تحریک میں افرادی اور مالی قوت کی کمی نہ ہونے پائے اور یہ لوگ افراد و اموال روانہ کرتے رہیں۔ دورہ سوات و بونیر اور مہمات ہزارہ کے دوران ہندوستان سے پہنچنے والے قافلوں کی تعداد 21 بتائی جاتی ہے۔

شرکاء قافلہ کی حتمی تعداد تو معلوم نہیں مگر حالات کے پیش نظر عموماً سو، پچاس افراد پر مشتمل ہوتے تھے، ان قافلوں میں مولانا عبدالحی، مولانا محمد رمضان رٹکی والے، مولانا عنایت علی عظیم آبادی، مولوی قمر الدین، مولوی خرم علی بلہوری، مولوی عبدالقدوس کانپوری، مولانا محبوب علی دہلوی، رسالدار عبدالحمید خان اور سید محمد مقیم خان کے قافلے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان قافلوں کی آمد جہاں فائدہ مند رہی وہیں کچھ نقصانات بھی ہوئے اول تو ان قافلوں کیلئے وہ سختیاں اور مجاہدات بالکل نئے تھے جو سید شہید کے ابتدائی رفقاء ایک عرصے سے برداشت کر رہے تھے۔ کچھ اس لئے پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، دوسرے بعض نوواردوں نے جماعت اور سید صاحب کی امامت پر اعتراضات شروع کر دیئے اور ان

اعتراضات کرنے والوں میں مولوی محبوب علی کا نام سرفہرست ہے البتہ ان کے اعتراضات کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی لیکن اس صورتحال کا نقصان یہ ہوا کہ ان واقعات کیوجہ سے ایک وقفے تک ہندوستان سے نئے قافلوں کی آمد رکی رہی۔ آخر کار یہ مولوی صاحب اور ایک دوسرے صاحب میرن شاہ واپس لوٹ گئے۔ جبکہ پیچھے ہندوستان والے بھی معاملات سے غافل نہیں تھے اور بھرپور کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ تحریک کے تعاون میں کوئی کمی نہ آنے پائے بالآخر شاہ محمد اسحاق اور شاہ محمد یعقوب (شاہ عبدالعزیز کے نواسے) کی کوششوں سے دوبارہ قافلوں کی روانگی شروع ہوئی ان آخری دور کے قافلوں میں مولوی محمد اسحاق گورکھپوری، مولوی جعفر علی نقوی (مولف تاریخ احمدی) حاجی وزیر خان پانی پتی اور مولوی محمد رمضان کے قافلے خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

دورہ سمہ اور خہر کا قیام:

اکابر سرحد میں جن مخلصین نے آخر دم تک سید صاحبؒ کا ساتھ دیا اور معرکہ بالاکوٹ میں جام شہادت نوش کر کے حق رفاقت ادا کیا، ارباب بہرام خاں انہی حق پرست اور وفا شعار رفقاء میں سے تھے۔ ان کے مشورے پر سید صاحبؒ نے دعوت جہاد کے لئے ”سمہ“ کے وسیع علاقے کے دورے کا پروگرام بنایا اور امان زئی، اسماعیلہ، کالو خان، تلاٹڈی، شیخ جانا، شاہ کوٹ اور ملاکنڈ کی گھاٹی سے گزر کر شمال مغرب میں سمہ کے آخری مقام درگئی تک دورہ فرمایا۔ دورے کے اختتام پر طویل عرصے کے لئے خہر کے مقام پر قیام پذیر ہو گئے۔ یہاں دسمبر ۱۸۲۸ء سے جنوری ۱۸۲۹ء تک ایک سال سے کچھ اوپر قیام رہا اور اس مدت میں یہی مقام مرکز جہاد بنا رہا۔ یہاں طویل قیام کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ پشاور کے

قرب و جوار میں یہ موزوں ترین مقام تھا، جہاں سے درانیوں کی مخالفت کے اثرات کو زائل کیا جاسکتا تھا۔

مولانا عبدالحی بڑھانویؒ کی وفات:

قیام خہر کے دوران مولانا عبدالحیؒ کی وفات کا اندوہناک اور الم ناک حادثہ پیش آیا۔ یہ عظیم سانحہ ۱۲۴۳ھ ۲۴ فروری ۱۸۲۸ء کو پیش آیا اور لشکر اسلام ایک مایہ ناز مجاہد اور شیخ الاسلام سے خالی ہو گیا۔ سید صاحبؒ نے فرط غم میں مولانا کے اکلوتے فرزند مولوی عبد القیوم کو سینے سے لگا لیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور زبان پر یہ کلمات تھے:

”مولانا دین کے ایک اہم رکن اور بڑی بابرکت شخصیت کے مالک تھے خدا نے انہیں بھی اٹھالیا۔“

جنازہ اٹھانے والوں میں سات سو غازیان اسلام کے علاوہ خود امام وقت اور امیر جہاد (سید صاحبؒ) بھی شریک تھے، نماز جنازہ بھی آپ نے پڑھائی اور خہر کے جنوب مشرق میں مولانا کی آخری آرام گاہ قیامت تک کے لئے باشندگان خہر پر نزولِ برکات کا باعث بن گئی۔

یار محمد خان والی پشاور کی حالت:

یار محمد خان والی پشاور شروع ہی سے مجاہدین کے ساتھ مخلص نہیں تھے۔ سید شہید جب خہر میں قیام پذیر تھے تو یہ درانی سردار لشکر لیکر مجاہدین کے مقابلے کیلئے نکل کھڑے ہوئے اور سید شہید کو اس وقت اطلاع ملی جب یہ لشکر اوتمان زئی پہنچ گیا تھا۔ سید شہید نے بھی حکمت عملی کے تحت خود آگے بڑھ کر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا چونکہ ان کی یہ حرکت بغاوت

کے زمرے میں آتی تھی اس لئے سید شہید اگرچہ مسلمانوں کی باہمی آویزشوں سے سخت کبیدہ خاطر ہوتے تھے مگر اسلام اور مسلمانوں کے حق میں یہاں ان سرکش درانیوں سے لڑے بغیر چارہ نہیں تھا۔ ان کے مقابلے کیلئے سید شہید نے دو جماعتیں تشکیل دیں ایک کی قیادت مولانا شاہ اسماعیل اور دوسرے کی قیادت خود سید شہید کے ہاتھ تھی اور ان درانیوں کے ساتھ واثمان زئی میں مقابلہ پیش آیا مگر درانی زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے اور فرار ہو گئے۔ اس صورت حال میں سید صاحب نے لازمی سمجھا کہ دوبارہ سرحد کے لوگوں کو اتباع شریعت کیلئے بھرپور دعوت دی جائے تاکہ اس قسم کے باغیانہ اور نقصان دہ واقعات پیش نہ آئیں اور تحریک آپس میں مسلمانوں سے الجھنے کے بجائے اصل دشمن سکھ اور انگریزوں پر اپنی توجہ مرکوز رکھ سکے۔

ایک عظیم اجتماع اور تجدید بیعت:

انہی دنوں جب سید صاحب خبر کو مرکز بنائے ہوئے تھے فتح خان رئیس پنجتار اور اشرف خان رئیس زیدہ نے آپ کو اپنے ہاں قیام کی دعوت دی اور دل و جان سے اطاعت کا عزم کیا چنانچہ آپ ان کے ہاں پنجتار تشریف لے گئے اور جاتے ہی تبلیغی دوروں کا آغاز فرمایا جب ان دورات کے خاطر خواہ نتائج سامنے آ گئے تب ۶ فروری ۱۸۲۹ء بروز جمعہ سرحد کے تمام علماء و خوانین کا ایک عظیم اجتماع منعقد ہوا جس میں خوانین و سرداران قبائل کے علاوہ دو ہزار علماء نے شرکت کی سید شہید نے افتتاحی تقریر میں فرمایا کہ اگر آپ لوگوں نے نظام شریعت کو بہ طیب خاطر قبول نہ کیا تو میں یہاں نہ رہ سکوں گا اور اگر مجھے یہاں رکھنا چاہتے ہو تو تمام غیر شرعی امور اور خلاف اسلام رسومات چھوڑنا پڑیں گی۔ یہ سن کر فتح خان

رئیس پنچتار نے کہا:

”اگرچہ یہ امر نہایت مشکل ہے لیکن میں اللہ کی رضا جوئی کیلئے اس حکم کو دل و جان سے قبول کروں گا۔“

اس کے بعد علماء کو خوانین نے بالاتفاق نظام شریعت کے نفاذ کا فیصلہ کیا سب نے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور تحریری بیعت نامے پیش کئے۔ اشرف خان رئیس زیدہ، فتح خان رئیس پنچتار اور خادے خان رئیس ہنڈ نے ایک مشترکہ بیعت نامہ پیش کیا جس کے اہم اجزاء یہ تھے:

(۱) ہم قبائلی خلاف شرع رسومات ترک کر کے احکام شریعت کو قبول کرتے ہیں۔

(۲) اقامت شریعت کیلئے سید صاحب کو رضا اور رغبت سے اپنا امام تسلیم کیا ہے۔

(۳) ہم اس عظیم اجتماع میں اپنی سابقہ بیعت امامت کی تجدید کرتے ہیں۔

اس موقع پر تمام علماء نے ایک متفقہ فتویٰ بھی جاری کیا جس میں کہا گیا:

”اقامت امامت کے بعد، امام کے حکم سے سرتابی سخت گناہ اور فبیح جرم ہے، مخالفوں کی سرکشی اگر اس حد تک بڑھ جائے کہ قتال کے بغیر اس کا استیصال ممکن نہ ہو تو تمام مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ ان کی تادیب کیلئے تلوار نکال لیں اور امام کے احکام کو مخالفین پر بزور نافذ کریں۔ ایسے معرکوں میں جو شخص امام کی طرف سے قتل ہوگا وہ شہید و نجات یافتہ ہوگا اور مخالف لشکر کے مقتولین مردود و ناری متصور ہوں گے“

اس فتویٰ پر سرحد کے پچیس اکابر علماء کے دستخط تھے۔

اس تجدید بیعت کے بعد سید شہیدؒ نے متعلقہ علاقوں میں قاضیوں کا تقرر کیا اور شعبہ

احساب بھی قائم کیا۔ اس نظام اور احتساب سے ایسا اثر ہوا کہ کوسوں تک ڈھونڈنے سے کوئی بے نمازی نہیں ملتا تھا اور قبائلی رسم و رواج کے مطابق سالوں سے جاری لڑائی جھگڑے ختم ہو گئے جیسا کہ مانیری کا قضیہ جو سو برس سے چل رہا تھا اور جانین کے ہزاروں آدمی کام آچکے تھے سید صاحب کی تدبیر سے چٹکیوں میں حل ہو گیا اگرچہ شروع میں خادے خاں رئیس ہنڈ نے مقابلے کی ٹھانی لیکن دیگر خوانین اور سید صاحب کے سامنے دب گیا اور یہ معاملہ بخیر و خوبی طے ہو گیا۔

خادے خاں کی حالت:

خادے خاں اس موقع پر دب تو گیا مگر مکمل اطاعت پر دل سے رضا مند نہ ہوا اور دلی طور پر سید صاحب کے زیادہ مخالف ہو گیا۔ دوسرا یہ ہوا کہ اشرف خاں رئیس زیدہ کی وفات کے بعد اس کے تین بیٹوں میں سے ایک مقرب خاں خادے خاں کا داماد تھا اور وہ یہ چاہتا تھا کہ اب نئے سردار کی دستار بندی مقرب خاں کی ہونی چاہئے جبکہ صورت حال یہ تھی کہ مقرب خاں کے مقابلے میں اس کا دوسرا بھائی فتح خاں ہر اعتبار سے لائق اور جانشینی کا مستحق تھا اور اشرف خاں نے بھی اسی کو نامزد کیا تھا اب جب کہ فیصلہ فتح خاں کے حق میں ہوا اور خادے خاں کی خواہش پوری نہ ہوئی تو اس کی برگشتگی حد سے بڑھ گئی اور کھلم کھلا سید صاحب کے خلاف انگریزوں سے ساز باز کرنے لگا اور سکھ جرنیل دنتورا کے حضور پہنچنے پر اس کو نذر پیش کی۔ اسی کے ہاتھوں فتح خاں رئیس پنجتار کے نام خراج طلبی کا پروانہ جاری کرایا اگرچہ ادھر سے جواب انکار کا ملا مگر خادے خاں کو موقع مل گیا اور اس نے سکھ جرنیل دنتورا کو سید صاحب کے خلاف مزید بھڑکایا اور مجاہدین پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی اس

موقع پر دنتورا نے سید صاحبؒ کو جو تحریر لکھی اور سید صاحبؒ نے جو جواب تحریر کیا وہ تاریخ میں بایں الفاظ درج ہے۔ دنتورا نے لکھا:

”یہ ملک مہاراجہ رنجیت سنگھ کی قلمرو میں داخل ہے یہاں کے خوانین باقاعدہ خراج ادا کرتے تھے لیکن آپؒ کی تشریف آوری کے بعد باغی ہو گئے ہیں۔ آپؒ انہیں مہاراجہ کی اطاعت کا حکم دیں اور تحریر کریں کہ اس ملک میں آپؒ کی آمد کی غرض و غایت کیا ہے؟“

سید صاحبؒ نے مولوی خیر الدین شیر کوٹی کے ذریعہ دنتورا کے خط کا حسب ذیل جواب ارسال کیا:

”آپؒ نے لکھا ہے: یہ ملک مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ہے، دعویٰ محض بے دلیل ہے، حقیقتاً مشرق سے مغرب تک سارا ملک خدا کا ہے، پھر ملکیت کے اعتبار سے یہ ملک مسلمانوں کا ہے۔ میرا ارادہ آپؒ سے مخفی نہیں ہے، میں یہاں سوچ سمجھ کر ہی آیا ہوں، آپؒ مسلمانوں کو تباہ و برباد کر رہے ہیں، اگر اسلام قبول کر لیں تو ملک آپؒ کے پاس رہے گا، ورنہ میں آپؒ سے جہاد جاری رکھوں گا۔“

دوسرے دن مولوی خیر الدین کو چند آدمیوں کے ہمراہ دنتورا کے پاس براہ راست ملاقات کیلئے بھیجا، وہاں ملاقات میں جرنل دنتورا اور مولوی خیر الدین میں تلخ گفتگو ہوئی اور دونوں اپنے اپنے عزم پر واپس آ گئے۔ ادھر سید صاحبؒ نے اس کی پیش قدمی کو روکنے کیلئے ایسی تدبیر کی کہ اگلے دن دنتورا مع فوج کے فرار ہو گیا اور دریائے اٹک عبور کر کے پنجاب کی سرحد میں جا کر سانس لیا۔

اسی موقع پر قلعہ اٹک والوں نے سید صاحبؒ کو اپنی حمایت کا یقین دلایا کہ اگر آپؒ اس

پر حملہ آور ہوں تو ہم سکھوں سے چھٹکارا پانے کیلئے آپ کی مدد کریں گے۔ اس سلسلے میں تمام معاملات طے پا گئے تھے کہ خادے کو ایک شخص کے ذریعے اس مہم کی اطلاع ہو گئی اور اطلاع دینے والا شخص بھی بے قصور تھا کیونکہ اس کو یہ معلوم نہیں تھا کہ خادے خاں سید صاحب سے برگشتہ ہو چکا ہے جب خادے خاں کو یہ مہم معلوم ہوئی تو اس نے سکھوں کو الٹک پر اس خفیہ حملے کی اطلاع دیدی اور یوں یہ مہم ناکامی سے دوچار ہوئی۔

اس موقع پر دوبارہ سید صاحب نے سادات، علماء اور خوانین کو جمع کیا تا کہ بار بار مسلمانوں کی غداری سے جو نقصان ہو رہا ہے اس کے تدارک کی کوئی راہ نکالی جائے، اس سلسلے میں جمعہ کے دن اجتماع کیا گیا۔ سید صاحب نے اپنے آنے کی غرض، جہاد کی اہمیت و ضرورت اور اس کی کامیابی کی شرائط و اصول بیان فرمائے۔ سید صاحب کے بعد شاہ اسماعیل شہید نے تقریر کی اور اخوندزادہ صاحب نے مقامی علماء کی زبان میں انہیں یہ تقریر سمجھائی جس میں خاص اس بات کا ذکر تھا کہ سید صاحب اصول شریعت کے لحاظ سے ”امیر المؤمنین“ ہیں اور جو مسلمان ان کے مقابلے میں آئے وہ باغی ہے اور باغی کے جو احکام شرع شریف میں ہیں وہ اہل علم اور حاضر علماء کرام سے مخفی نہیں اور اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ پہلے یار محمد خاں والئی پشاوڑ کی غداری سے لشکر اسلام کو سخت نقصان ہوا اور اب خادے خاں بار بار لشکر اسلام کے راستے میں روڑے اٹکار رہا تھا۔

غرض سب نے طے کر لیا کہ باغیوں کو پہلے زبانی فہمائش کی جائے اگر سمجھ جائیں ٹھیک اور اگر نوبت قتل و قتال کی آئے تو وہ بھی جائز ہے۔

تقدیر الہی کے آگے کیا مجال ہے جو لب کشائی کجائے مگر حقیقت یہ ہے کہ سید شہید کی

اس طویل جدوجہد میں کفار سے اتنے معرکے نہیں ہوئے جتنا اپنوں کی غدار یوں کا سامنا کرنا اور یہ بات کوئی نئی بھی نہیں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کا یہ قول مشہور ہے کہ انہوں نے اپنی تلوار کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا کہ یہ تلوار کافروں سے زیادہ نام کے مسلمانوں پر چلی ہے۔

ایسی ہی صورت حال کا سامنا سید صاحبؒ کو تھا بالآخر خادے خاں اور یار محمد خاں کھلم کھلا مقابلے پر آئے اور دونوں ہلاک و تباہ ہوئے ان سے لڑائی کی تفصیلات کو قلم زد کیا جاتا ہے کیونکہ اصل دشمن سکھ اور انگریز تھے اور انہی سے معرکہ جات کی تفصیل ضروری ہے۔

دنتورا کی دوبارہ لشکر کشی:

دنتورا جب پہلی مرتبہ سید صاحبؒ کے مقابلے سے فرار ہو کر چلا گیا تھا تو اسے لاہور سے سخت ملامت کا سامنا کرنا پڑا تھا اسی لئے دوبارہ خوب تیاری کے ساتھ سید صاحبؒ سے مقابلہ کرنے کیلئے روانہ ہوا۔ چنانچہ اوائل جون ۱۸۲۹ء میں اس نے دوبارہ پنجتار کا رخ کیا۔ مقرب خاں جو فتح خاں کا بھائی اور خادے خاں کا داماد تھا اس نے سید صاحبؒ کو ازراہ مصلحت پنجتار چھوڑ جانے کا مشورہ دیا جسے سید صاحبؒ نے رد کر دیا اور فرمایا: اگر فتح خاں خود زبان سے کہے، تو پھر بادل نخواستہ ہم اس کو چھوڑ دیں گے۔ فتح خان کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے کہا:

”میں خلوص نیت کے ساتھ سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر چکا ہوں، اب کسی مخالف طاقت سے نہیں ڈرتا“

سید صاحبؒ اس سے بہت خوش ہوئے نیز دنتورا کا مقابلہ کرنے کیلئے دیگر آزاد قبائل

کو بھی مدد کیلئے لکھا۔ جہاں سے حوصلہ افزا جوابات ملے اور متعدد علاقوں سے مدد کیلئے جنگی دستے پہنچا رہے تھے۔

لڑائی کی جگہ متعین کرنے کیلئے سید صاحبؒ پنجتار کے درے کی طرف تشریف لے گئے اور موضع خلی کلے کے پاس جو دو پہاڑ ہیں ان کے درمیان کا میدان پسند کیا اور دونوں پہاڑوں کے درمیان چار ہاتھ چوڑی قد آدم دیوار تعمیر کرائی۔ ان دیواروں پر متعدد چوکیاں اور پہرے قائم کئے اور اس کی تعمیر کے وقت سید صاحبؒ اور دیگر رفقاء کے جذبات دیدنی تھے جس سے غزوہ خندق کے موقع پر خندق کھودنے کے مناظر اور ان جذبات کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ دیواروں کی تعمیر کے تیسرے چوتھے دن نماز فجر کے وقت پہرے داروں نے خبر دی کہ سکھ لشکر دیوار کے قریب پہنچ گیا ہے سید صاحبؒ نے مرزا احمد بیگ کو ایک سو مجاہدین کے ساتھ روانہ کیا اور حکم دیا کہ چاروں چوکیوں کے پہرے داروں کو واپس بھیج دیں اور خود اپنے ساتھیوں کو لے کر دائیں جانب پہاڑ پر چڑھ جائیں اور جب سکھوں کو پورا لشکر درے کے اندر داخل ہو جائے اور وہ مجاہدین کے ساتھ دبدو برس پیکار ہو جائیں، اس وقت عقب سے ان پر حملہ کر دیں۔ اسی طرح ایک دوسری جماعت کو پہاڑ کی بائیں جانب متعین کر دیا اور انہیں بھی اسی قسم کی ہدایت کر دی۔ پنجتار کے وسیع میدان میں غازیوں کی باقی جمعیت سکھ لشکر کے مقابلے کیلئے کمر بستہ تھی۔ سکھ فوج کی تعداد دس ہزار تھی، جبکہ مجاہدین کی کل تعداد دو، اڑھائی ہزار کے قریب تھی۔ سید صاحبؒ خود غازیوں کے ساتھ دیوار کے قریب مورچہ سنبھالے بیٹھے تھے۔ مولانا اسماعیلؒ نے تجویز پیش کی کہ تمام مجاہدین سید صاحبؒ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کریں کہ جب تک دم میں دم ہے انشاء اللہ کفار کے

مقابلے سے نہ ہٹیں گے یا ان پر فتح حاصل کریں گے یا اسی میدان میں شہید ہو جائیں گے۔ مولانا نے فرمایا کہ ”اس بیعت کے بعد جو شہید ہوگا وہ شہادت کبریٰ کا درجہ پائے گا“ سب سے پہلے خود مولانا اسماعیل شہیدؒ نے بیعت کی، اس کے بعد دوسرے مجاہدین مشرف بہ بیعت ہوئے۔

دنتورا نے ایک بلند ٹیلے پر چڑھ کر دوربین کے ذریعے پنجتار کے علاقے پر نظر ڈالی۔ مجاہدین کی تعداد اگرچہ زیادہ نہ تھی لیکن پہاڑوں پر دونوں جانب انہیں اس ترتیب سے بٹھایا گیا تھا کہ دونوں پہاڑ غازیوں سے بھرے ہوئے نظر آتے تھے۔ آخر دنتورا نے اپنی فوج کو پیش قدمی کا حکم دیا۔ ادھر سید صاحبؒ نے مجاہدین کو آگے بڑھنے کی ہدایت کی اور مرزا حسن بیگ کوشاہینوں سے دشمن کی فوج پر گولہ باری کا حکم دیا۔ جو لوگ پہاڑوں پر دونوں جانب بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے دونوں فوجوں کو بڑھتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے بھی بیک وقت اپنی اپنی جگہ سے حرکت کی تاکہ بلندی سے نیچے اتر کر کسی ایسے مقام پر ٹھہر جائیں جہاں سے دشمن پر آسانی سے حملہ کیا جاسکے۔ جب یہ مجاہدین حرکت میں آئے تو ایسا نظر آ رہا تھا جیسے پہاڑ کا ہر پتھر حرکت میں آ گیا ہے۔ یہ صورت دیکھ کر دنتورا کے ہوش و حواس اڑ گئے اور اس نے اسی وقت فوجوں کو واپسی کا حکم دے دیا اور خادے خاں پر سخت برہم ہوا کہ اس نے مجاہدین کی قوت اور تعداد کے بارے میں غلط اطلاع دی تھی۔ اس معرکہ میں مجاہدین کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ البتہ سکھوں کے دو آدمی مارے گئے۔



تحریک کا نازک وقت:

تحریک کا سب سے نازک وقت اس وقت شروع ہوا، جب والیان پشاور کی غداری و بدعہدی کی وجہ سے مختلف مقامات پر موجود سید صاحب کے رفقاء اور قضاۃ وغیرہ کو ایک منظم سازش کے تحت طے شدہ منصوبے کے مطابق ایک ہی رات میں قتل کر دیا گیا۔ اس طرح مجاہدین کے قتل عام کے بعد سید شہیدؒ نے ارادہ کر لیا کہ اس بدنصیب سرزمین سے ہجرت کر جائیں۔ اس موقع پر تمام مجاہدین کے روبرو آپ نے تقریر فرمائی اور کہا:

”اب میں اس سرزمین کو چھوڑ رہا ہوں، نہیں بتا سکتا کہ کہاں جاؤں گا، میں آپ کو رخصت دیتا ہوں، آپ مجھے رخصت دیں“

یہ سن کر تمام مجاہدین بیک زبان عرض کرنے لگے:

”ہم مرتے دم تک آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے“

اس علاقے کو چھوڑنے سے پہلے سید شہیدؒ نے تحقیق حال کیلئے بعض افراد کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ مجاہدین کے قتل عام کی تحقیق کریں۔ چنانچہ سید میاں رئیس تختہ بند جو علاقے کے محترم شمار ہوتے تھے اس تحقیق پر مامور ہوئے اور انہوں نے لوگوں سے جو تحقیقات کیں اس سے یہ معلوم ہوا کہ:

”سلطان محمد خان والی پشاور کی طرف سے خطوط آئے تھے کہ ہندوستانی علماء نے مجاہدین کو بدعقیدہ اور انگریزوں کا جاسوس قرار دیا۔ اس کے علاوہ ہماری بہنوں اور بیٹیوں کے جبراً نکاح بھی کرائے جاتے تھے جس پر تنگ آ کر ہم نے یہ کام کیا“

حالانکہ یہ الزامات سراسر غلط تھے مجاہدین نہ تو بدعقیدہ تھے، ہاں انگریز نے اپنے زر خرید مولویوں کے ذریعے ان پاک باز مجاہدین کو بدنام کرانے کی کوئی کسر نہ چھوڑی تھی، اسی

طرح انگریزوں کے جاسوس ہونے کا الزام تو آفتاب نصف النہار کی طرح جھوٹ ہے اور جہاں تک جبراً نکاح کرانے کا الزام تھا تو اس میں حقیقت صرف یہ تھی کہ سید شہید اور مجاہدین کا مطالبہ یہ تھا کہ روپیہ لے کر شادی کرنے کی فتنج رسم چھوڑ دیں اور اس غرض سے جوان لڑکیوں کو دیر تک نہ بٹھائے رکھیں۔ بس اس ترغیب اصلاح رسم کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور غدار سرداروں نے اپنی سادہ لوح عوام کو مجاہدین سے بدظن کر کے ان کا قتل عام کرایا۔

بالآخر ماہ رجب ۱۲۴۶ھ کے وسط میں مجاہدین نے سرزمین سمہ کو خیر باد کہا جو گزشتہ چار سال سے مجاہدین کا مرکز تھی۔ غازیان اسلام قاسم خیل اور وادی چملہ سے ہوتے ہوئے راج دواڑی میں قیام پذیر ہوئے۔ اب سید شہید اہلیان کشمیر کے متعدد خطوط طلبی کی بنا پر وہاں جانے پر آمادہ ہو چکے تھے۔ تقریباً دو ماہ راج دواڑی میں قیام کرنے کے بعد جب برفباری کی شدت میں کمی ہوئی تو سید صاحب مقامی لوگوں کے مشورے سے ۲۲ رمضان المبارک کو راج دواڑی سے پچون تشریف لے گئے۔ یہاں مقام پچون ہی میں سید ضامن شاہ رئیس کا غان اپنے اہل خاندان کے ساتھ بیعت سے مشرف ہوا اور بالا کوٹ کے معرکہ جہاد میں بھی شریک کار رہا۔ اسی اثناء میں سید صاحب کو حبیب اللہ خان کی طرف سے پیغام ملا کہ شیر سنگھ بالا کوٹ پر پیش قدمی کرنے والا ہے لہذا آپ جلد تشریف لائیں۔ چنانچہ آپ ۱۷ اپریل ۱۸۳۱ء کو اتوار کے دن پچون سے بالا کوٹ روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر واصل خان کی حویلی میں قیام فرمایا جو مسجد بالا سے قریب تھی۔ شیر سنگھ کی فوجیں دریائے کنہار کے مشرقی کنارے پر جمع تھیں ان کے خیمے اور ڈیرے بالا کوٹ سے صاف نظر آتے

تھے۔

مشہد مقدس:

۲۴ ذیقعدہ ۱۲۶۶ھ صبح کی نماز تمام مجاہدین نے سید شہید کی امامت میں مسجد بالا میں ادا کی۔ اشراق تک وظائف میں مشغول رہے۔ اس کے بعد جنگی لباس زیب تن کر کے مسجد کے سائبان میں تشریف فرما ہوئے۔ سورج نکلنے ہی سکھ مٹی کوٹ کے شمالی گوشے سے نمودار ہونے لگے۔ اس معرکے میں مجاہدین کی کل تعداد بمشکل ایک ہزار تھی۔ اور دشمن کی فوج کم و بیش بیس ہزار تھی۔ لیکن مجاہدین انتہائی بہادری و دلیری سے مقابلہ آزما ہوئے اور تین بار سکھوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا اس معرکے میں مجاہدین کے تین سو افراد شہید ہوئے جبکہ دشمن کے سات سو فوجی مارے گئے، حضرت الامیر سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسماعیل یہیں شہید ہوئے۔ اوریوں تاریخ کا عظیم قافلہ جو احیاء خلافت اسلامیہ اور راہ جہاد کے متوالوں کا قافلہ تھا اپنے امیر سمیت دنیائے فانی سے آخرت لافانی کی حسین منزلوں پر رواں دواں ہو کر امر ہو گیا۔

بظاہر تو یہ تحریک یہیں ختم ہو گئی اور سکھوں نے بھی حضرت الامیر شہید کے جسد و سر مبارک کو قبر سے نکال کر دریا میں بہا دیا کیونکہ انہیں یہ خطرہ تھا کہ ایسی عظیم شخصیت کی قبر بھی امت مسلمہ کو جہاد اور عزیمت کا سبق یاد دلاتی رہے گی اور انہی کے نقش پا کو دیکھ کر سینکڑوں ہزاروں نوجوان اور کئی تحریکیں پروان چڑھیں گی۔ اس لئے بظاہر انہوں نے اس تحریک کے ہر نشان کو مٹانے کی سعی کی لیکن کون نہیں جانتا کہ اسی قافلے کے شہید حضرت حاجی عبدالرحیم ولایتی اور ان کے مایہ ناز خلیفہ میاں جی نور محمد جھنجھانوی کے فیض یافتہ و خلیفہ حاجی

امداد اللہ مہاجر کی سے کس طرح جہاد و عزیمت اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک شروع ہوئی۔ بارگاہ امدادی سے قاسم ورشید نے درس حریت لیا اور پھر ان سے شیخ الہند کی تحریک ریشمی رومال اور آج تک یہ قافلہ ولی الہی احمدی امدادی قاسمی و محمودی ہر میدان میں امت مسلمہ کی قیادت و رہنمائی کا فریضہ باحسن طور سرانجام دے رہا ہے، اور انشاء اللہ تاقیامت یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔

باب دوم

شبہات و اعتراضات اور ان کے جوابات

انگریزوں کو یہ تحریک کہاں ہضم ہو سکتی تھی اس لئے انہوں نے ہر سطح پر اسے بدنام کرنے کی کوشش کی اور مسلمانوں ہی میں سے بعض افراد کو خرید کر اعتراضات کرائے تاکہ سادہ لوح مسلمان اس تحریک سے دور رہیں اس لئے تحریک پر جو اعتراضات ہوئے یا ان کے موقف کو کمزور کرنے کیلئے جو شبہات گھڑے گئے ان پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لینا چاہیے۔

جہاد فرض کفایہ ہے:

ایک گروہ نے اس بات کو لے لیا کہ جہاد فرض کفایہ ہے لہذا جب کچھ لوگ نکلے ہوئے ہیں ہمیں نکلنے کی کیا ضرورت ہے؟ ملتان کے ایک غازی نے خود سید صاحب سے ایک مرتبہ کہا کہ ہمارے علماء جہاد کو فرض کفایہ قرار دیتے ہیں۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ کفایت سے مراد ہے، مجاہد مسلمان موقع اور مقام کے لحاظ سے کافی ہوں نہ یہ کہ صرف چند

سومسلمانوں کے قیام کو بغیر لحاظ موقع و محل کافی تصور کیا جائے۔

پھر معاملے کی صورت یہ نہ تھی کہ بلاد اسلامیہ محفوظ تھے اور سرحدوں پر اغیار کی متفرق ٹولیوں سے جھڑپیں پیش آرہی تھیں، معاملے کی صورت یہ تھی کہ بلاد اسلام اغیار کے قبضے میں جا چکے تھے۔ اس موقع پر ”فرض کفایہ“ کا عذر کیا کام دے سکتا تھا؟ خود صحابہ کرامؓ کی مثالیں سامنے تھیں جب اسلامی فتوحات کے علم جا بجا گڑ چکے تھے اور جہاد کی دعوت دی جاتی تھی تو وہ بوڑھے بھی تلواریں لے کر نکل پڑے تھے، جن کی بھویں ضعف پیری کے باعث آنکھوں پر گر رہی تھیں۔ ان سے جب کوئی کہتا کہ بڑھاپے میں مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت تھی تو وہ جواب دیتے کہ انفر و خفافاً وثقالاً کے فرمان خداوندی کے بعد بڑھاپے کا عذر کون پیش کر سکتا ہے؟

سید صاحبؒ اور ان کی جماعت پر ہندوستان میں جو اعتراضات اٹھائے گئے تھے، وہ سرحد میں بھی پہنچ گئے تھے۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ نے ایک مفصل مکتوب میں اعتراضات کا جواب لکھا، جس کے بعض مطالب اس غرض سے یہاں پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سے بھی جہاد کی ضرورت و اہمیت اور سید صاحب کے موقف پر روشنی پڑتی ہے۔

پہلے اعتراض (یعنی امام میں شرائط امامت نہیں پائی جاتیں) پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

امام صاحب سے جن قبائح کا انتساب کیا جاتا ہے وہ سراسر باطل ہیں ان میں سے ایک کا بھی انتساب درست نہیں اور آپ کے ساتھیوں سے جو قبائح منسوب کئے جاتے ہیں

انہیں سے بھی بیشتر خلاف حقیقت ہیں، لیکن اگر رفقائے امام کے متعلق قبائح کو بہ فرض محال تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے امامت میں کیا نقص واقع ہو سکتا ہے؟ اس کی مثال یہ ہے کہ امتیوں کے اعمال کی خرابیاں کبھی بھی نبی کی نبوت پر اثر انداز نہیں ہوئیں۔

جو کچھ سید صاحبؒ سے منسوب کیا جاتا ہے اسے بھی اگر درست مان لیا جائے تو امامت کے ثبوت و بقا میں کوئی خلل نہیں پڑتا، اس لئے کہ وہ باتیں زیادہ سے زیادہ مراتب ولایت پر اثر انداز ہوتی ہیں اور مراتب ولایت امامت کی شرطوں میں داخل ہی نہیں، بلکہ امامت قائم ہو جائے تو فسق بھی اس کے زوال کا موجب نہیں ہو سکتا۔ اگلے پچھلے فقہاء متکلمین کی تحریرات اس کی شاہد ہیں۔

دوسرے اعتراض یعنی منافقوں کی قوت کے برابر قوت نہ ہونے پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بقدر استطاعت سامان فراہم کرنا بلاشبہ ضروری ہے خواہ مخالفوں کے برابر قوت ہو یا نہ ہو۔ قرآن مجید میں اعدو الہم ما استعظم فرمایا گیا ہے (یعنی جتنی قوت تمہارے بس میں ہو فراہم کرو) یہ نہیں کہا گیا کہ اعدو الہم ما اعدو الکم (یعنی جتنی قوت تمہارے مقابلے پر لائیں اتنی ہی قوت تم بھی لاؤ)۔ پھر فرماتے ہیں کہ مان لیجئے قوت والوں کے خلاف جہاد کے لئے زبردست قوت لازم ہے اور سید صاحبؒ کو فی الحال یہ قوت حاصل نہیں لیکن اس کے حصول کا طریقہ کیا ہے:

آیا کوئی امام ماں کے پیٹ سے بھی عسا کر ساتھ لے کے آیا ہے؟ کیا یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص اقامت جہاد کی تیاری کرتا ہے تو فی الفور غیب سے اس کے لئے لاؤ لشکر اور اسباب حرب مہیا ہو جاتے ہیں؟ یہ نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا۔ طریقہ یہی ہے کہ امام مقرر ہو۔ یہ

کام تمام مسلمانوں کے ذمے فرض ہے۔ اور اس میں سستی یا اس سے پہلو تہی معصیت ہے۔ پھر امامت کے لئے قوت بہم پہنچانا مسلمانوں کا ہی فرض ہے۔ چاہئے کہ ہر مسلمان جماعت ہر سمت سے دوڑتی ہوئی اس کے پاس پہنچ جائے اور جس شخص کو جو سامان مل سکے اسے لا کر امام کی خدمت میں پیش کر دے۔ ”اعدوا لہم ما استطعتم اور جاہدوا باموالکم و انفسکم“ میں مخاطب عام مسلمان ہیں نہ کہ محض امراء رؤسا۔ پس ہر وہ شخص جو کہتا ہے کہ امام کی شوکت جہاد کی شرط ہے اور یہ شوکت ہم کو حاصل نہیں، اس کو لازم ہے کہ پہلے خود آئے اور بقدر استطاعت سامان جنگ اپنے ساتھ لائے اور اس معاملے میں کسی دوسرے کی شوکت کا انتظار اصلاحاً جائز نہیں جہاد کے معاملے میں جو تعویق و تعطیل واقع ہوگی، اس کا وبال تمام خانہ نشین و پس ماندہ لوگوں کی گردن پر ہوگا جس طرح نماز جمعہ کی ادائیگی ہر شخص پر واجب ہے اور اس کا ادا کرنا جماعت کے بغیر متصور نہیں، اور انعقاد جماعت امام کے بغیر ممتنع ہے، پس اگر ہر شخص اپنے گھر میں بیٹھا اس کا انتظار کرتا رہے کہ جس وقت امام آجائے گا، جماعت میں موجود ہو جائے گی، میں بھی حاضر ہو جاؤں گا تو یقیناً جمعے کی نماز فوت ہو جائے گی اور ہر شخص گناہ گار ہوگا، اس لئے کہ ارواح مقدسہ میں سے کسی امام کا اترنا اور فرشتوں کی جماعت میں سے کسی جماعت کا جمعہ قائم کرنے کے لئے آنا، ہونے والی بات نہیں اس کا طریقہ یہی ہے کہ ہر شخص اپنے گھر سے خواہ تنہا ہو، باہر آئے اور مسجد میں چلا جائے، اگر جماعت مجتمع ہو تو اس میں شریک ہو جائے گا، ورنہ مسجد میں بیٹھا رہے اور دوسرے کا انتظار کرے، اگر اس نے مسجد خالی دیکھ کر اپنے گھر کا رستہ لیا تو جمعے کی جماعت و امامت قائم ہو چکی ہے! اسی طرح لازم ہے کہ ہر شخص اگر چہ تنہا، کمزور، قلیل

الاستطاعت ہو، امام کی دعوت کا آوازہ سن کر اپنے گھر سے نکل دوڑے اور جس قدر سامان میسر آ سکے، اس کے ہمراہ مسلمانوں کی جماعت میں پہنچ جائے تاکہ جہاد کے قائم ہو جانے کی صورت پیدا نہ ہو، نہ یہ کہ اپنے کو اللہ کے بندوں کے زمرے سے نکال کر ڈرپوک بندوں میں شامل کرے اور دینِ متین کے اس رکنِ رکیں کو ہاتھ سے جانے دے۔

آخر میں شاہ صاحبؒ نہایت دسوزی سے لکھتے ہیں:

سبحان اللہ! کیا اسلام کا حق یہی ہے کہ اس کے رکنِ اعظم کو جڑ سے اکھاڑا جا رہا ہو اور جس شخص کے سینے میں ضعف و ناتوانی کے باوجود، اسلامی حمیت نے جوش مارا اسے طعن و ملامت کا ہدف بنایا جائے؟ آیا یہ لوگ نصرانی یا یہودی یا مجوس یا ہنود ہیں کہ ملت محمدیہ کے ساتھ دشمنی کر رہے ہیں؟ محمدیت کا مقتضایہ تھا کہ اگر کوئی شخص ہنسی مذاق میں جہاد کا نام لے لیتا تو مسلمانوں کے دل پھول کی طرح کھل جاتے تھے اور سنبل کی طرح تروتازہ ہو جاتے۔ اگر دور در دور مقامات سے بھی جہاد کا آوازہ غیرت مند ان اسلام کے کانوں میں پہنچتا تو وہ دیوانہ وار دشت و کہسار میں دوڑ پڑتے بلکہ شہباز کی طرح اڑنے لگ جاتے۔ کیا جہاد کے معاملے کو عظمتِ شان کے باوجود حیض و نفاس کے مسائل پڑھنے سے بھی کم تر سمجھ لیا گیا؟

نیز یہ اشکال کہ بعض لوگ بیعت کے بعد منحرف ہو گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کی تحریک درست نہیں اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: بیعت کرنے کے بعد اس سے انحراف کرنے والوں کے مسئلے پر بحث کی ضرورت نہیں اسلئے کہ یہ امر خود انحراف کرنے والوں کے لئے موجب گناہ ہوگا۔ امام کی امامت کو اس سے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے؟

تحریک کے بنیادی نکات اور ہمارے لئے سبق:

سید صاحبؒ کے نزدیک اسلامی قوت کے زوال و اضمحلال کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں میں روح اسلام اور روح جہاد باقی نہیں رہی تھی۔ یہی روح دوبارہ پیدا کرنا سید صاحبؒ کا اصل مقصد تھا۔

ان کا نصب العین یہ تھا کہ کلمۃ اللہ سر بلند ہو، سید المرسلین ﷺ کی سنتیں تازہ ہو جائیں اور بلاد اسلامی کو غیر مسلموں کے تصرف سے آزاد کرالیا جائے۔ انہیں اغراض کے پیش نظر انہوں نے جہاد کے لئے دعوت عام دے کر مسلمانوں کی تنظیم شروع کی تھی۔

وہ صرف سکھوں سے نہیں بلکہ انگریزوں سے بھی لڑنا چاہتے تھے، اس لئے کہ بلاد اسلامی کا بدرجہا بڑا حصہ انگریزوں کے قبضے میں تھا نیز وہ انگریزوں کو زیادہ خطرناک سمجھتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ سارے ہندوستان میں شریعت حقہ کی حکومت قائم کریں۔ پھر اس نظام کو اقطار عالم میں پھیلائیں۔

وہ اس کام کو صرف رضائے باری تعالیٰ کے لئے پورا کرنا چاہتے تھے دنیوی مال و دولت یا جاہ و منصب یا حکومت و ریاست کا وسوسہ بھی ان کے دل میں نہیں گزرتا تھا۔

سید صاحبؒ کی تحریک جہاد سے اختلاف کے لئے جو عذر تراشے گئے تھے، وہ بے ہمتی یا مقاصد دین سے نا شنائی یا احکام دین کی تحریف پر مبنی تھے اس لئے سراسر بودے اور بے بنیاد تھے۔

باب سوم: متفرق مضامین

حضرت سید احمد شہیدؒ کے اہل علم رُفقاء

تحریک سید احمد شہیدؒ کی جو آب و تاب آج دو صدیاں گزر جانے کے باوجود قائم ہے اس میں امیر تحریک سید احمد شہیدؒ کے اخلاص و تقویٰ کے علاوہ ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ اس تحریک کو اپنے وقت کے ہی کیا عالم اسلام کے جید و ممتاز اہل علم اور صداقت شعار اصحاب دل صوفیاء کرام نصیب ہوئے اور کسی بھی دینی تحریک کی کامیابی و سرخروئی اور مقاصد برآری کیلئے یہ دونوں طبقات بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اہل علم اس تحریک کو جادہ شریعت پر قائم رکھتے ہیں اور مختلف حوادث و فتن کے باعث کارکنان کو فکری گمراہیوں سے بچاتے ہیں جبکہ اصحاب دل صوفیاء کرام اس جماعت کے افراد کو کارکنان میں خلوص و للہیت اور تقویٰ و پرہیزگاری کی روح پھونکتے رہتے ہیں۔ سید صاحب کی تحریک میں ان دونوں طبقات کے یگانہ روزگار افراد شامل تھے اور ان افراد کا شامل تحریک ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ تحریک، شرعی

بنیادوں پر قائم تھی اور اس کے بانی شریعت ہی کی پاسداری کیلئے علم تحریک لے کر اٹھے تھے اگر خدا نخواستہ خود بانی تحریک قابل اعتماد شخص نہ ہوتے یا ان کی پناہ کردہ تحریک شرعی بنیادوں پر استوار نہ ہوتی تو یہ اہل علم اور صوفیاء کرام کبھی بھی اس تحریک میں اپنے خون کی قربانی پیش نہ کرتے، سید صاحب کے خلفاء و مریدین اور اہل علم و رفقاء کی تعداد بہت زیادہ ہے اور بعض کے حالات تو مستقل کتاب کے محتاج ہیں ذیل میں ہم صرف ان رفقاء میں سے چند مشہور اہل علم حضرات کا مختصر تذکرہ پیش کرتے ہیں جنہوں نے سید صاحب کے ساتھ میدان جہاد میں رفاقت نبھائی یہ حالات مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتاب ”کاروان ایمان و عزیمت“ اور مولانا غلام رسول مہر کی کتاب ”جماعت مجاہدین“ سے ماخوذ ہیں نیز یاد رہے اس تذکرہ میں سید شہید کے اصحاب تصوف و رفقاء کرام شامل نہیں ہیں ان کے حالات مندرجہ بالا کتب میں قارئین ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ دادیم ترا از گنج مقصود نشان

مولانا عبدالحی صاحب بڑہانویؒ

آپ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے داماد تھے اور شاہ صاحب آپ کے پھوپھا بھی تھے۔ شاہ صاحب آپ کے والد کے شاگرد تھے اس لیے مولانا عبدالحی صاحب سے بہت محبت و خصوصیت رکھتے تھے۔ آپ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے بابرکت خاندان میں داخل و شامل تھے۔ علم و فضیلت میں آپ کا شمار ہندوستان کے ممتاز علماء میں تھا، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور پورا خاندان ولی الہی بلکہ پورا دہلی آپ کی فضیلت علمی و تبحر کا قائل تھا۔ شاہ صاحب تفسیر میں مولانا کو اپنے تمام تلامذہ پر فضیلت دیتے تھے اور اپنا نمونہ فرماتے تھے۔

شیخ الاسلام کا لقب جو اسلام میں خاص خاص علماء کو دیا گیا ہے شاہ صاحب نے خود مولانا کو ایک خط میں دیا ہے اور آپ کو اور شاہ اسماعیل صاحب کو تاج المفسرین فخر المجد ثین سرآمد علماء محققین لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ دونوں حضرات تفسیر و حدیث، فقہ و اصول و منطق وغیرہ میں اس فقیر سے کم نہیں ہیں۔ جناب باری کی جو عنایت ان دونوں بزرگوں کے شامل حال ہے اس کا شکر مجھ سے ادا نہیں ہو سکتا۔ ان دونوں کو علماء ربانی میں شمار کرو اور جو اشکال حل نہ ہو ان کے سامنے پیش کرو۔ شاہ اسماعیل صاحب شہیدؒ نے بھی آپ سے پڑھا تھا۔ اہل علم کے نزدیک علوم رسمہ میں مولانا عبدالحی صاحب کا پایہ سید صاحب کی جماعت میں سب سے بلند تھا، سید صاحبؒ بھی آپ کا بہت احترام کرتے تھے، آپ ہی کی ترغیب سے حضرت شاہ اسماعیل صاحبؒ بھی سید صاحبؒ سے بیعت ہوئے تھے اور بیعت ہوتے ہی شاہ صاحبؒ کے ساتھ آپ سید صاحب کے رنگ میں رنگ گئے اور اپنے سارے علم و فضل کو آپ پر تصدق کر دیا اور ادنیٰ خادم بن گئی لانکہ ظاہری علوم و کمالات کے علاوہ عمر میں بھی سید صاحب سے بڑی عمر کے تھے، آپ سید صاحب کی جوتیاں اٹھاتے، ان کی رکاب تھام کر چلتے، یہ آپ کا سب سے بڑا ایثار و کارنامہ تھا، آپ کا علم، قلم اور زبان اور خدا کی دی ہوئی ہر قوت و قابلیت اسلام کی خدمت اور حق کی اشاعت و نصرت کے لیے وقف تھی۔

آپ پر شان صدیقیت اور شاہ اسماعیل صاحب پر شان فاروقی غالب تھی، نہایت حلیم اور رقیق القلب تھے، چہرہ پر خشیت الہی و تواضع کے آثار اور عبادت و تقویٰ کے انوار ظاہر تھے کوئی تعریف کرتا تو دل سے ناخوش ہوتے اور بری لگتی نصیحت کرتا تو دل سے خوش ہوتے اور سر جھکا دیتے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں نہایت چست و مستعد رہتے۔

آپ کے علم سے جس قدر اسلام کو نفع اور آپ کے وعظ سے جس قدر اصلاح ہوئی کم خوش نصیب علماء کے علم و تقریر سے ہوئی ہوگی لکھنؤ کے قیام میں برابر آپ کا وعظ ہوتا تھا جس میں ہزار ہا آدمی شریک ہوتے اور ہدایت پاتے، ایک مرتبہ آپ نے وذلنون اذذهب مغاضباً الایہ پر وعظ کیا اور ایسا وعظ کہا کہ سامعین پر سکتہ طاری ہو گیا ہر ایک کے منہ سے واہ واہ سبحان اللہ کی صدا نکلتی تھی۔ سارا مجمع اور تمام علماء آپ کی قوت بیانی و نکتہ دانی کے قائل ہو گئے۔ علماء نے کہا حق تو یہ ہے کہ ہماری ساری عمر جہل و نادانی میں گزری اور اس وادی معرفت کا آج تک پتہ نہ چلا تین جمعے آئے اسی آیت کا وعظ رہا۔

لکھنؤ کے ایک محدث اور مشہور عالم نے ایک مرتبہ کہا کہ میں بھی قرآن و حدیث کا وعظ کہتا ہوں اور یہ دونوں عالم (مولانا اور شاہ صاحب) بھی قرآن و حدیث کا وعظ کہتے ہیں مگر میرے وعظ میں دس پانچ آدمیوں سے زیادہ جمع نہیں ہوتے اور ان کے وعظ میں سارا شہر ٹوٹا پڑتا ہے، مسجدوں میں سامعین کو بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی مولانا عبدالحی صاحب نے اس محدث خشک کی زبان سے یہ بات سن کر فرمایا کہ پہلے ہمارا بھی یہی حال تھا یہ سید صاحب کی برکت ہے۔ آپ نے سفر حج میں یمن کے مشہور محدث محمد بن علی الشوکانی (صاحب نیل الاوطار) سے خط و کتابت کی اور امام موصوف نے اپنی تصنیفات بھیجیں۔

بیعت ہونے کے بعد ہمہ وقت سید صاحب کے ساتھ رہتے تھے، سفر جہاد میں بھی آپ نے ہجرت کی تکلیف دہ گھاٹیاں عبور کیں اور جہاد کیلئے خود کو وقف کر دیا۔ سرحد پہنچنے پر سید صاحب نے آپ کو لشکر کا قاضی مقرر فرمایا مقدمات کا فیصل کرنا اور عاملوں کا مقرر کرنا آپ کے متعلق تھا آپ کی وفات سوات کے علاقے مقام خہر میں ہوئی۔ انتقال کے وقت سید

صاحبؒ سے فرمایا کہ حضرت شہادت تو میری قسمت میں نہ ہوئی اب اتنی تمنا ہے کہ آپ اپنا قدم مبارک میرے سینہ پر رکھ دیجئے کہ اسی حالت میں میری جان نکل جائے۔ سید صاحبؒ نے فرمایا کہ میرا پاؤں اس قابل کہاں ہے کہ اس سینہ پر رکھوں جو قرآن و حدیث کے علم کا خزانہ ہے آپ نے تسلی کے لیے اپنا ہاتھ مولانا کے سینہ پر رکھ دیا اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا۔ مولانا کی زبان سے آخری کلمہ اللھم الرفیق الاعلیٰ نکلا اور روح پرواز کر گئی۔

مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ

مولانا محمد اسماعیل شہید، شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خاندان کے شجرہ طوبیٰ کی ایک شاخ ہیں۔ آپ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے نامور پوتے، شاہ عبدالغنی صاحبؒ کے ذریعہ نجات و مغفرت فرزند، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ و شاہ عبدالقادر صاحبؒ و شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے محبوب و عزیز بھتیجے اور مایہ ناز شاگرد تھے۔ مولانا اسماعیل اسلام کے ان اولوالعزم، عالی ہمت، ذکی، جری اور غیر معمولی افراد میں ہیں جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ آپ نے علماء کے سب سے بڑے مجمع اور سب سے بڑے علمی اور سب سے بہتر دینی ماحول میں آنکھ کھولی۔ بچپن میں کانوں میں قال اللہ وقال الرسول کی آواز پڑی، جو علمی باتیں اور جو مذہبی مسائل حلال و حرام و ضروریات دینی لوگوں کو کتابوں اور مطالعہ سے آتی ہیں وہ آپ کو باتوں باتوں اور قصے کہانیوں میں معلوم ہو گئیں۔ تربیت کے لحاظ سے یہ تربیت نہایت مکمل تھی جو کم خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی ہے لیکن آپ اس تربیت کے محدود دائرہ سے بہت آگے تھے اور بہت جلد شاہ صاحبؒ کے خاندان میں بھی آپ بہت ممتاز ہو گئے۔

آپ مجتہدانہ دماغ کے آدمی تھے اور اس میں ذرا مبالغہ نہیں کہ بہت سی درسی کتابوں کے

مصنفین و شرح سے زیادہ ذکاوت اور علمی مناسبت رکھتے تھے اگر آپ کو اشتغال علمی اور تصنیف و تالیف و درس و تدریس کا موقع ملتا تو آپ اپنے پیشرو اور معاصر علماء سے بہت آگے ہوتے اور بہت سے فنون میں امام یا مجدد کا منصب آپ کو دیا جاتا۔ مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندیؒ کی روایت ہے (جو غالباً انہوں نے اپنے اساتذہ و اکابر سے سنی ہوگی) کہ شاہ اسماعیل صاحبؒ شاہ عبدالقادر صاحب سے الافق المبین پڑھتے تھے (اہل علم جانتے ہیں کہ یہ کس درجہ کی کتاب ہے) اور اس طور پر پڑھتے تھے کہ دودو چار چار ورق پڑھتے، کہیں شاہ اسماعیل صاحبؒ کچھ پوچھ لیتے کہیں شاہ عبدالقادر صاحبؒ کچھ بتا دیتے ورنہ یوں ہی پڑھتے جاتے تھے، اس زمانہ میں مولوی فضل امام صاحب خیر آبادی صدر امین ہو کر دہلی آئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے ایک دن وہ بھی بیٹھے ہوئے تھے اور سبق ہو رہا تھا وہ اس حیرت انگیز سبق کو دیکھ کر متعجب ہو رہے تھے۔ اتفاقاً شاہ صاحبؒ اثناء سبق میں کسی ضرورت سے اٹھے تو انہوں نے کہا ”صاحبزادے کیوں مصنف کی روح کو تکلیف دیتے ہو، وہ پاس ادب چپ ہو رہے لیکن شاہ صاحب آگئے اور انہوں نے سن لیا فرمایا کہ مولوی صاحب اس لڑکے سے کچھ پوچھیے تو اس کا حال آپ کو معلوم ہو پہلے تو مولوی فضل امام صاحب نے گریز کیا لیکن آخر انہوں نے ایک مسئلہ افق المبین کا پوچھا مولانا اسماعیل صاحبؒ نے نہایت شائستگی سے جواب دیا پھر انہوں نے اس کو رد کیا پھر انہوں نے جواب دیا اس رد و قدح کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ مولوی صاحبؒ مولانا اسماعیل صاحب کی پیچیدہ تقریر کا غور کر کے جواب دینے لگے تو اس وقت خاموش ہوئے۔

سید صاحب سے بیعت کے بعد زندگی احيائے دین اور رد بدعات کے لیے وقف کر دی۔
سہ شنبہ اور جمعہ کو شاہی مسجد میں وعظ فرماتے۔ سرسید لکھے ہیں کہ نماز جمعہ کے لیے ایسی کثرت

ہونے لگی جیسے عید گاہ میں نماز عیدین کے لیے ہوا کرتی ہے۔ تقریریں ایسی جامع ہوتی تھیں کہ ہر شخص کو اس کے شہسے کا جواب مل جاتا تھا اور سادگی کا یہ عالم تھا کہ عالم و عامی یکساں ان سے مستفید ہوتے تھے۔ سید صاحب سے وابستگی کے بعد شاہ صاحب نے اپنی حیاتِ عزیز جن اہم کاموں کے لئے وقف کر دی تھی ان کے پیش نظر تصانیف کا موقع بہت کم تھا تاہم انہوں نے مقاصد اصلاح کے لئے کتابیں بھی لکھیں جن میں سے بعض اپنے موضوع پر آج بھی نادر و یگانہ ہیں۔ مثلاً (۱) ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والصریح، اہل علم کا بیان ہے کہ حقیقت بدعت میں ایسی کوئی کتاب کسی زبان میں آج تک نہیں لکھی گئی (۲) منصب امامت (۳) عبقات (۴) تقویت الایمان (۵) تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین (۶) اصول فقہ (۷) منطق میں ایک رسالہ (۸) صراط مستقیم کے دو باب (۹) یک روزی

میدان جہاد میں سید صاحب کے ساتھ شروع سے آخر تک شریک رہے اور معرکہ بالا کوٹ ہی میں جام شہادت نوش کیا۔

مولوی احمد اللہ ناگپوریؒ

مولانا عبدالحی کے علاقائی بھائی، بڑے دلاور سپہ گراور برے دیندار پرہیزگار تھے آپ کی مولانا عبدالحی سے صرف خط و کتابت تھی کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ ملاقات کا نہایت اشتیاق تھا افسوس کہ مولانا کے انتقال کے چار روز بعد خمر پہنچے اور حادثہ کون کر نہایت متاسف ہوئے اپنے بھتیجے مولوی عبد القیوم کو سینہ سے لگایا اور آخر دم تک سید صاحب کے ساتھ رہے۔ علم و تقویٰ میں ان کا بہت بلند پایہ تھا۔ تیر اندازی، چابک سواری اور کشتی کے فنون میں استاذ کامل تھے۔ سید صاحب نے مولوی صاحب کو ایک جماعت کا سالار بنادیا تھا مختلف فنون میں باکمال ہونے کے

باعث وہ غازیوں کی تربیت بھی فرمایا کرتے تھے۔ معرکہ بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔

مولوی محمد حسن رامپوریؒ

سید صاحبؒ کے نہایت معتمد اور لشکر کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ مولوی سید جعفر علی منظورہ میں لکھتے ہیں ”مولانا محمد اسماعیل و مولوی محمد حسن رامپوری بجائے وزیر آ نجناب بوند“، یعنی مولانا محمد اسماعیل اور مولوی محمد حسن رامپوری سید صاحب کے وزیروں کی حیثیت رکھتے تھے۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں ”مولوی محمد حسن رامپوری کہ درخاکساری و عجز و علم و حلم و قابلیت بعد مولانا محمد اسماعیل نظیر خود داشتند یعنی مولانا محمد اسماعیل کے بعد عجز و انکساری، علم و حلم اور قابلیت میں آپ کا کوئی مثل نہ تھا“ آپ ہی نے مولوی سید محبوب علی صاحب دہلوی کو مسکت جواب دیا اور قتال و جہاد و کافرق سمجھایا رامپور متھیا راں کے رہنے والے تھے پھولڑہ کی لڑائی میں شہید ہوئے۔

مولانا محمد یوسف پھلویؒ

شاہ ولی اللہ کے بھائی شاہ اہل اللہ کے پوتے تھے۔ نواب وزیر الدولہ نے لکھا ہے کہ علم میں ”بے مثل“ اور عمل میں ”بے بدل“ تھے۔ سید صاحب راجپوتانہ سے دہلی پہنچے تو انہوں نے مولانا عبدالحی اور مولانا شاہ اسماعیل سے پہلے سید صاحب سے بیعت کی اور ترقی مدارج میں وہ مقام حاصل کیا کہ ان دونوں بزرگوں کے لیے باعث رشک بنے رہے۔ ارادت اور خدمت گزاری میں کوئی ان کے برابر نہ پہنچ سکا۔ سید صاحب نے ذکر و فکر اور مراقبہ کے بجائے بندوق، تلوار اور دوسرے ہتھیار چلانے کی مشق کا حکم دیا تا کہ جہاد کا سامان ہو سکے تو مولانا محمد یوسف نے ایسی مشق بہم پہنچائی کہ پے بہ پے بندوقیں چلاتے تھے اور ایک مرتبہ سر کر کے دوسری مرتبہ بھرنے اور سر کرنے میں تین بار پلک جھپکنے سے زیادہ دیر نہ لگتی تھی۔

ابتدا ہی سے سید صاحب نے اپنے اور جماعت کے تمام انتظامی امور مولانا محمد یوسف کے حوالے کر دیئے تھے۔ انہیں کے پاس روپیہ جمع ہوتا، وہی چیزیں خریدتے، انہیں کے پاس حساب کتاب رہتا جب کام بڑھ گیا تو سید صاحب نے ان کی امداد کے لیے مزید آدمی مقرر کر دیئے حافظ قرآن بھی تھے قضا و حوائج بشریہ کے سوا قرآن ہر وقت ان کی زبان پر جاری رہتا تھا رمضان شریف میں روزانہ ایک مرتبہ قرآن شریف ضرور ختم کر لیتے کچھ حصہ تراویح میں سناتے، باقی تہجد میں پڑھتے۔

جنگ شیدو کے بعد سید صاحب نے بونیرہ سوات کا دورہ شروع کیا تو دوسرے رفقاء کی طرح مولانا محمد یوسف بھی ہمراہ تھے۔ اسی سفر میں وہ بیمار ہوئے اور بیماری مسلسل بڑھتی رہی طبیعت اس درجہ بگڑ گئی کہ بظاہر جانبری کی کوئی امید نہ رہی اس حالت میں مولانا نے کہا: جس طور بھی ممکن ہو مجھے جلد سے جلد حضرت کی خدمت میں پہنچاؤ تا کہ جان دینے سے پہلے ان کی زیارت کا شرف حاصل کر سکوں چار پائی اٹھانے والوں کی تلاش شروع ہوئی وہ جلد مل نہ سکے اس لیے کہ فصل کا موسم تھا لوگ باہر کھیتوں میں مصروف تھے دیر ہو گئی تو مولانا نے فرمایا مجھے اٹھا کر بٹھاؤ سہارا دے کر بٹھا دیا گیا اسی حالت میں پاک نفس مجاہد کی روح عالم علوی میں پہنچ گئی۔ قاضی احمد اللہ میرٹھی نے غسل و کفن کا انتظام کیا سید صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی پھر مولانا شاہ اسماعیل سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”یوسف جی اس لشکر اسلام کے قطب تھے آج لشکر قطب سے خالی ہو گیا وہ بڑے قانع، زاہد، متوکل، مستقیم الحال اور مستقل مزاج تھے۔“

یہ الفاظ زبان پر جاری تھے اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے سید صاحب اور شاہ اسماعیل

نے اس مایہ ناز وجود کی میت لحد میں اتاری۔ مولانا کا انتقال ایک گاؤں میں ہوا جو اویچ اور بھانڈا کے درمیان تھا، نام معلوم نہیں۔

آپ کے دل میں سید صاحب کی حد درجہ عظمت تھی ایک مرتبہ سید صاحب عشاء کی نماز ادا کر کے مائل بہ استراحت تھے کہ پینے کے لیے پانی مانگا مولانا یوسف کوزہ بھر کر لائے اس اثناء میں سید صاحب کی آنکھ لگ گئی مولانا کوزہ ہاتھ میں لیے چپ چاپ کھڑے رہے کہ جب بیدار ہوں گے پانی پیش کروں گا آخر شب سید صاحب بیدار ہوئے تو پانی حاضر کیا۔ رات بھر کھڑے رہ کر ارادت کا جوش اندر نمونہ پیش کیا تھا سید صاحب نے اس کی تحسین فرمائی اور مولانا کے لیے دعا کی۔ ”وصایا“ میں ایک جگہ مرقوم ہے کہ مولانا یوسف، اشرف رفقا اور اکرم خدما سے تھے۔ امانت میں بے مثل اور دیانت میں بے بدل۔

قاضی سید محمد حبانؒ

قاضی سید محمد حبان کا نڑا غور بند (سرحد آزاد) کے باشندے تھے۔ بہت بڑے عالم، ذکی الطبع غیور اور خوش تقریر تھے۔ منظورہ میں ہے:

”مردا شجاع و اورع، صاحب علم نافع و فہم کامل و طبع تیز، حد درجہ شجاع و متقی ان کا علم نفع بخش تھا فہم کامل اور طبیعت تیز تھی۔“

غالباً ہندوستان میں رہ کر علم حاصل کیا اور کچھ مدت کلکتہ کے کسی مدرسے میں مدرس بھی رہے۔ سید صاحب خیر میں تھے جب یہ ملاقات کے لیے آئے سید صاحب سے عرض کیا کہ میں آسودہ حال ہوں۔ روپیہ پیسہ خدا نے دے رکھا ہے کسی دنیوی چیز کی احتیاج نہیں صرف خدا کے لیے آیا ہوں دل پر اثر ہوگا تو بیعت کروں گا ورنہ واپس چلا جاؤں گا۔ سید صاحب نے

فرمایا کہ بیعت کیجئے اللہ تعالیٰ برکت دے گا۔ بیعت و مراقبہ کے بعد قاضی صاحب نے کہا میں اندھا تھا آنکھیں کھل گئیں کا فر تھا مسلمان ہو گیا سید صاحب نے فرمایا: یوں نہ کہیے یہ کہیے کہ پہلے ہی سے مسلمان تھا اب ایمان ترقی کر گیا۔

اس وقت سے قاضی صاحب نے وابستگی اختیار کی پھر آخری دم تک سید صاحب کا ساتھ نہ چھوڑا۔ بیعت اقامت شریعت کے بعد سید صاحب نے انہیں قاضی القضاۃ مقرر فرمادیا تھا چنانچہ خود ایک مکتوب میں جو بیعت مذکورہ ہو جانے کے بعد لکھا گیا تھا۔ فرماتے ہیں:

”اسی مجمع (مجمع برائے اقامت شریعت) میں ایک بلند مرتبہ عالم اور دیندار کو منصب قضا سونپ دیا گیا۔ دستار قضا اس کے سر پر باندھ دی گئی اور قضا کا فرمان اس کے حوالے کر دیا گیا۔“

صلح و جنگ اور اصلاح و ارشاد کے سلسلے میں مختلف تدبیروں پر غور و خوص کے لیے جتنی مجلسیں منعقد ہوئیں ان سب میں سید حبان شریک ہوتے تھے چونکہ وہ مقامی آدمی تھے اور اپنے ہاں کے حالات کو بہتر سمجھتے تھے اس لیے ان کے مشورے بہت مفید و کارآمد سمجھے جاتے تھے۔

آپ کی قضا کا ایک واقعہ مذکور ہے کہ قاضی صاحب فصل خصومات کے لیے علاقے کا دورہ کرتے رہتے تھے سرحدی لوگ دریا میں ننگے نہانے کے عادی ہو چکے تھے انہیں بہت منع کیا لیکن حسب دل خواہ اثر نہ ہوا۔ مجبوراً حکم دیا گیا کہ جو شخص ننگا نہاتا ہوا پکڑا جائے اسے جرمانے کی سزا دی جائے ایک مرتبہ قاضی صاحب دورہ کرتے ہوئے کھبل (کبل) پہنچے وہاں ایک شخص نے تواضعاً قاضی صاحب کو تازہ مچھلی پکا کر کھلائی۔ اتفاق سے دوسرے یا تیسرے روز وہ ننگا نہاتا ہوا پکڑا گیا مقدمہ قاضی صاحب کے روبرو پیش ہوا جرم ثابت ہو گیا اور قاضی صاحب

نے حسب ضابطہ آٹھ آنے جرمانہ کر دیا اس نے جوش اور غصے کے عالم میں کہا کہ قاضی صاحب آپ نے جرمانہ تو کر دیا لیکن میں مچھلی معاف نہ کروں گا قاضی صاحب نے مسکرا کر فرمایا کہ مچھلی ہضم ہو چکی۔ اب تمہاری معافی کی احتیاج نہیں جو ضابطہ جاری رہے وہ ٹل نہیں سکتا۔

ہوتی اور مردان کے رئیس نے مخالفت کا فیصلہ کر لیا اور وہ اپنے بھائی کو نائب بنا کر خود پشاور چلا گیا تاکہ درانیوں سے مدد لے کے قاضی حبان کا مقابلہ کرے قاضی صاحب کو یہ حالات معلوم ہوئے تو شاہ اسماعیل، رسالدار عبدالحمید خان وغیرہ سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے سب نے رائے دی کہ پیچھے ہٹنا مناسب نہیں مردان پر یورش کرنا چاہیے جو کچھ پیش آئے گا دیکھا جائے گا۔ قاضی صاحب اس پر بہت خوش ہوئے اور قصبے پر یورش کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے جنگی مصلحتوں کو پیش نظر رکھ کر اقدام کیا اور قصبہ قبضے میں آ گیا صرف گڑھی میں تھوڑی سی فوج لڑتی رہی۔ قاضی صاحب نے گڑھی پر قبضہ جمانے کی تدبیر یہ سوچی کہ خانہ بہ خانہ ہوتے ہوئے اس کے پاس پہنچ جائیں تھوڑے سے آدمی ان کے ساتھ تھے پیش قدمی کرتے ہوئے ایک گلی سامنے آ گئی گڑھی سے گولیاں بارش کی طرح آ رہی تھیں اور گلی سے گزر کر دوسرے مکان میں پہنچنا سخت مشکل تھا لیکن قاضی صاحب نے رکنائے پسند نہ کیا ان کے چار پانچ ساتھی سلامت نکل گئے پھر ایک شخص کے گولی لگی اور وہ شہید ہو گیا۔ آخر قاضی صاحب خود چند آدمیوں کے ساتھ آگے بڑھے تمام ساتھی بچ گئے لیکن قاضی صاحب کے سر میں گولی لگی اور شہادت پائی۔ قاضی حبان علم و فضل، غیرت و حمیت دین اور زہد و تقویٰ میں سرحد کے یگانہ فرد تھے اعلائے کلمۃ اللہ میں ان کی جرات و بے باکی بے مثل تھی۔ تمام غازیوں کو ان کی شہادت سے سخت صدمہ پہنچا سید صاحب بھی اسی واقعے پر بہت متاثر ہوئے۔

مولوی خیر الدین شیر کوٹی

بڑے عاقل، صاحب تدبیر، خوش اخلاقی میں بے نظیر بڑے امانت دار، راست گفتار، نہایت حلیم الطبع، بڑے بہادر فتوت شعار تھے، سید صاحب کے نزدیک نہایت لائق اور صاحب اعتبار تھے جہاد میں آپ نے ان سے بڑے بے کام لیے اور سفارتوں پر بھیجا، ایک مرتبہ توپ خانہ آپ کے سپرد کیا ایک مرتبہ موضع چھتر بائی کا قلعہ دار کیا، ایک مرتبہ موضع لونڈ خور کا تحصیلدار بنایا، ایک وفد پانچ سو غازیوں کا امیر کر کے مظفر آباد کو رخصت کیا آپ ہمیشہ صائب مشورے دیتے، بہت ہوش گوش اور متوازن دماغ کے آدمی تھے۔ لشکر میں آپ کی خدمت بھی قابل قدر تھیں جب سید صاحب خمر سے واپس ہو کر پنجتار میں مقیم ہوئے تو مولوی خیر الدین کا ڈیرہ فیصل سے باہر تھا پھر سید صاحب کے حکم سے انہوں نے اور مولوی احمد اللہ ناگ پوری نے قاسم خیل میں گولے ڈھالنے کا کارخانہ بنا لیا تھا۔ جہاں ڈیڑھ سیر، تین سیر اور پانچ سیر کے گولے تیار ہوتے تھے۔ اسی طرح جب خادے خاں جنرل دنتورا کو صوبہ سرحد پر چڑھالایا تھا اور اس کا ارادہ یہ تھا کہ خود پنجتار پر حملہ کرے پھر واپس ہو گیا اور سید صاحب کو لکھا کہ گفتگو کے لئے اپنے وکیل بھیج دیجئے سید صاحب نے مولوی خیر الدین ہی کو بھیجا تھا۔ موصوف نے دنتورا کے تمام اعتراضات کا شافی جواب دیا دنتورا ذرا تلخ ہو کر بولا تو مولوی صاحب نے بھی وہی انداز اختیار کر لیا آخر میں کہہ دیا، آپ کو اپنے لشکر پر ناز ہوگا: ہمارا بھروسہ اللہ پر ہے اس کا لشکر سب سے زیادہ قوی ہے۔

مولوی مظہر علی عظیم آبادی

یہ اُسی زمانے میں سید صاحب سے بیعت کر چکے تھے جب آپ کی دعوت و صلاح کا شہرہ

ہوا تھا۔ اونچے درجے کے عالم ہونے کے علاوہ مولوی صاحب بڑے غیور شخص تھے بیعت کے ساتھ ہی دعوت و اصلاح شروع کر دی بعض اوقات جوش کے عالم میں منکر چیزوں کو بزور مٹا دینے پر بھی آمادہ ہو جاتے تھے۔ سید صاحب کے ساتھ ہجرت نہ کر سکے بعد میں سید صاحب کی طرف سے بلاوے کے خطوط پہنچے تو مولوی صاحب مجاہدوں کا قافلہ لے کر سرحد گئے تھے یا کم سے کم وہ بالکل ابتدائی قافلوں میں مقام جہاد پر پہنچ گئے تھے اس لیے کہ جنگ شیدو کے بعد جو غازی جنگلی پہنچے ان میں مولوی صاحب کا نام موجود ہے۔ پشاور فتح ہوا تو مولوی مظہر علی صاحب نے مہابت خاں کی مسجد میں خطبہ دینا شروع کیے جن میں سورہ صف کی تفسیر نہایت دل پسند الفاظ میں پیش کی اس وجہ سے وہ اہل پشاور میں بہت ہر د عزیز ہو گئے۔ وہاں قاضی کے تقرر کا سوال سامنے آیا تو مولوی مظہر علی ہی اس عہدے کے لیے منتخب ہوئے۔

ادھر سلطان محمد خاں نے پشاور پر دوبارہ قابض ہوتے ہی سازش کا جال بچھنا شروع کر دیا تھا جب اس نے اندازہ کر لیا کہ میدانی علاقے کے لوگ اس کے ہم نوا بن گئے ہیں تو مولوی مظہر علی سے کھلم کھلا نزاع پر آمادہ ہو گیا۔ انہیں حالات میں سلطان محمد خاں اور اس کے درباریوں نے مولوی مظہر علی کو پشاور میں شہید کر دیا شہادت کی تفصیل صرف اس قدر معلوم ہو سکی کہ ایک روز سلطان محمد خاں نے ضروری مشورے کے بہانے سے مولوی صاحب کو ایک خاص کمرے میں بلوایا وہ پہنچے تو ہر طرف سے ایک دم ان پر تلواریں پڑنے لگیں اسی حالت میں وہ واصل بہ حق ہوئے۔ راویوں کا بیان ہے کہ مولوی صاحب بہت بڑے عالم، متقی، ذکی، الطبع، صاحب اخلاق پسندیدہ و اوصاف حمیدہ، سید صاحب کے مخلص معتقد اور محبِ راسخ تھے، موصوف سپہ گری کے فن میں یکتائے زمانہ اور شجاعت و بہادری میں یگانہ مانے جاتے تھے۔

ملا اسماعیل اخوندزادہؒ

ملا صاحب اہل سرحد میں سے تھے جب شاہ اسماعیل کو ابتدا میں ہزارے بھیجا گیا تو یہ بھی شاہ صاحب کے ساتھ تھے۔ انہوں نے اپنے خطوط میں اخوندزادہ کے علم و فضل، اخلاص و تقویٰ، عقل و دانش، حسن تدبیر اور اصابت رائے کی بار بار ستائش فرمائی ایک موقع پر لکھا:

”ملا اسماعیل اخوندزادہ نہایت ہوشیار و دیانت دار ہیں اور مشاورت و مصالحت میں پختہ کار۔ وہ ان اطراف (ہزارہ) کے تمام فضلا کے پیش کار ہیں اور جملہ خوانین کے معتمد۔ دین کے کام میں بجاں مصروف ہیں اور تالیف و ترغیب میں بہ دل مشغول۔“

مولوی حبیب اللہ قندھاریؒ

افغانستان کے علماء میں یہ پہلے شخص ہیں جن میں حدیث کا صحیح ذوق پیدا ہوا اور ان سے یہ ذوق افغانستان بھر میں پھیلا موصوف نے اس زمانے میں سید صاحب سے استفادہ کیا تھا جب آپ بہ سلسلہ ہجرت قندھار پہنچے تھے۔ موصوف سید صاحب کے اہم رفقاء میں سے تھے معروف عالم دین مولانا سید عبداللہ غزنوی آپ ہی کے مرید و خلیفہ تھے اور مرید کے رنگ سے پیرومرشد کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

نوٹ: اس موضوع پر مزید تفصیلات کے لئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب ”کاروان ایمان و عزیمت“ اور مولانا غلام رسول مہر کی کتاب ”جماعت مجاہدین“ کی طرف رجوع فرمائیں۔



تحریک سید شہیدؒ اور خاندان شاہ ولی اللہؒ

ہمارے برصغیر پاک و ہند میں ایک طبقہ ایسا ہے جو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے خاندان سے محبت و عقیدت اور انہی کے مسلک پر کار بند ہونے کا نہ صرف مدعی ہے بلکہ بزعم خویش واحد وہی طبقہ شاہ ولی اللہ صاحب کے مزاج و مسلک دینی کا ترجمان ہے۔ یہ طبقہ بظاہر شاہ ولی اللہ صاحب سے جس قدر محبت و عقیدت کا اظہار کرتا ہے اُسی قدر بلکہ اس سے بڑھ کر تحریک سید احمد شہیدؒ سے بغض و عناد اور حسد و عداوت رکھنا اپنا عین ایمان خیال کرتا ہے اور اسی لیے جب خاندان ولی اللہی کے نامور فرد شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کو اس تحریک کی صف اول میں پاتا ہے تو ان پر مختلف الزامات عائد کر کے عوام الناس کو یہ دھوکہ دیتا ہے کہ شاہ محمد اسماعیلؒ اگرچہ

خاندان ولی اللہی کے فرد تھے مگر اپنے افکار و نظریات میں اس خاندان سے مختلف تھے اس لیے انہیں فکری و نظریاتی طور پر شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا پیروکار اور ان کے افکار کا ترجمان نہیں کہا جاسکتا۔ اس طبقے نے اپنے اس غلط دعویٰ کو مضبوط کرنے کیلئے شاہ محمد اسماعیل صاحب کی کتاب ”تقویۃ الایمان“ کے خلاف ایک ایسا طوفان بدتمیزی برپا کیا کہ بعض ناعاقبت اندیشوں نے ان پر کفر و گستاخی کے الزامات لگانا ہی اپنا وظیفہ حیات بنا لیا لیکن حالات و واقعات یکسر اس کے خلاف ہیں۔ حالات و واقعات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ تحریک سید احمد شہیدؒ اور خاندان ولی اللہی میں تحریک کے آغاز سے پہلے اور بعد میں باہم نہایت خوشگوار اور محبت و عقیدت بھرے تعلقات قائم رہے۔ معترضین جتنا شور مچائیں مگر ان حقائق کا نہ انکار کر سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی جواب ان کے پاس ہے۔

سید احمد شہیدؒ کے نانا سید ابو سعید بریلویؒ شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے تعلق ارادت و بیعت رکھتے تھے اور انہیں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی طرف سے خلافت بھی حاصل تھی۔ ان کے خطوط کے ملاحظہ سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں بزرگوں میں باہمی الفت و یگانگت کا گہرا تعلق تھا۔ ہم یہاں سید شہیدؒ سے قبل کے ان تعلقات کو قلم زد کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ سید شہیدؒ کو خود شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ جو شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے جانشین اور بڑے صاحبزادے تھے، نے سلسلہ قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ میں بیعت فرمایا اور خلافت و اجازت سے سرفراز کیا۔

تحریک سید شہیدؒ کے ایک اہم صاحب علم و معرفت مولانا عبدالحی بڑھانوی ہیں۔ یہ بزرگ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خلیفہ شاہ نور اللہؒ کے پوتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے داماد تھے، علم و فضل میں یہ مرتبہ حاصل تھا کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ جیسے جامع

الکلمات محدث نے انہیں ”شیخ الاسلام“ کے خاص لقب سے نوازا تھا، انہیں خود شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے سید شہیدؒ سے بیعت کرایا، مقام حیرت ہے کہ تحریک کے معترضین شاہ محمد اسماعیلؒ کو تو معاف نہیں کرتے کیونکہ ان پر عناد کے تیر برسانے کیلئے ”تقویۃ الایمان“ نامی کتاب کا سہارا لے لیا جاتا ہے جس نے ان نااہل گدی نشینوں اور بدعات کے دلدادہ لوگوں کے حلوے مانڈے پر کڑی ضرب لگائی ہے مگر مولانا عبدالحی صاحبؒ کے بارے میں اس قدر خاموشی اختیار کر لی جاتی ہے گویا وہ اس تحریک کے فرد ہی نہیں تھے کیونکہ انہیں تحریک کا فرد ظاہر کرنے سے انہیں ان پر کوئی اعتراض کرنے کا موقع ہاتھ نہیں آتا بلکہ الٹا اپنا پروپیگنڈہ ہوا میں تحلیل ہوتا نظر آتا ہے کیونکہ سائل پوچھ سکتا ہے کہ اگر سید شہیدؒ اتنے ہی قابل اعتراض تھے جتنا انہوں نے بنا رکھا ہے تو پھر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اپنے اتنے بڑے صاحب علم و فضل داماد کو سید شہیدؒ سے کیوں بیعت کرایا؟ یاد رہے مولانا عبدالحیؒ نے جس وقت بیعت کی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اس بیعت کے 5، 6 سال بعد تک حیات رہے تھے اور یہ بزرگ مرتے دم تک سید شہیدؒ کے ساتھ رہے اور ہجرت و جہاد کا سفر کیا اور اسی راہ جہاد میں سرحد کے مقام خمر (خار) میں وفات پائی۔

خاندان ولی اللہ صاحبؒ کے دوسرے عظیم فرد جو اس تحریک کے روح رواں رہے شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ ہیں۔ شاہ محمد اسماعیل صاحبؒ، شاہ ولی اللہؒ کے پوتے، شاہ عبدالغنیؒ کے بیٹے اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے بھتیجے ہیں۔ اس مبارک خاندانی رشتے کے علاوہ علم و فضل میں آپ کا پایہ اتنا مضبوط تھا کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے انہیں ”حجة الاسلام“ یعنی ”اسلام کی حقانیت و صداقت کی دلیل“ کا لقب خاص دیا تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کو آپ سے اور شاہ محمد اسحاق

صاحبؒ سے (جو شاہ عبدالعزیزؒ کے جانشین مقرر ہوئے تھے) اس قدر محبت اور اعتبار تھا کہ اکثر ان دونوں بزرگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ آیت مبارکہ تلاوت کرتے:

الحمد لله الذي وهب لي على الكبر اسماعيل واسحاق

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل کیا گیا ہے جو انہوں نے اپنے فرزند ان گرامی قدر حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ: ”تمام تعریفیں اُس پر درگاہ کیلئے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا کیے“

عبرت ہے اس میں ان لوگوں کیلئے جو شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کی عقیدت کا دم تو بھرتے ہیں مگر شاہ محمد اسماعیل صاحبؒ پر سب دشتم کرنا کا رِثواب خیال کرتے ہیں، فی اللجب!

شاہ محمد اسماعیل صاحبؒ نے بھی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی حیات میں، ان کی موجودگی میں سید شہیدؒ سے بیعت کی اور ان کی حیات میں ہی خود کو سید شہیدؒ کے قدموں میں ڈال دیا تھا۔ کیا یہ سب کچھ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی مرضی کے خلاف تھا؟

یہاں ایک اور حقیقت کا اظہار بھی فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ تحریک کے مخالفین کی جانب سے سید شہیدؒ کے ملفوظات پر مشتمل کتاب ”صراط مستقیم“ کی بعض عبارات کے حوالے سے سید شہیدؒ اور شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کو ہدف طعن بنایا جاتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ ان اعتراضات کی کیا حقیقت ہے اور علماء نے ان کا جواب بھی لکھا ہے مگر یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے جو ماننے والے کیلئے کافی ہے کہ یہ مجموعہ ملفوظات ۱۲۳۳ھ میں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی وفات ۱۲۳۹ھ سے قبل ترتیب پا گیا تھا اور اس کے مرتب صرف شاہ اسماعیل صاحبؒ نہیں بلکہ مولانا عبدالحی صاحبؒ بھی اس کی ترتیب میں شریک تھے اگر ان دو اہل علم کی بات نہ بھی مانی جائے تو شاہ

عبدالعزیز صاحبؒ نے اس عبارت پر گرفت کیوں نہیں کی؟ جس پر بعد کا یہ بدعات کا رسیا طبقہ شور اُٹھاتا ہے اور نہ ہی شاہ صاحب کے جانشین شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے اس پر کوئی گرفت کی۔

خاندان ولی اللہی کے تیسرے اہم فرد جو تحریک میں شامل تھے اور تحریک میں ”قطب“ کا درجہ رکھتے تھے وہ مولانا محمد یوسف پھلٹی ہیں۔ یہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے چھوٹے بھائی شاہ اہل اللہ کے پوتے ہیں۔ یہ بزرگ بھی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی موجودگی میں بیعت ہوئے اور بیعت کے وقت سے لیکر تادم وفات سید شہیدؒ کے ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت سے ساتھ رہے۔ آپ کا علم و فضل کے ساتھ روحانی مقام اتنا بلند تھا کہ سید شہیدؒ انہیں اپنے لشکر کا ”قطب“ فرمایا کرتے تھے آپ ہجرت و جہاد کے سفر میں ساتھ رہے اور اسی مبارک سفر میں سرحد کے ایک غیر معروف مقام میں انتقال فرمایا۔

خاندان ولی اللہی کے ان تین نامور اصحاب علم و فضل کے علاوہ بہت سے غیر معروف مگر صاحب علم و فضل افراد نے سید شہیدؒ کے ہاتھ پر بیعت کی ان میں مولوی وجہیہ الدین، حکیم مغیث الدین اور حافظ معین الدین صاحب شامل ہیں ان کا خاندان ولی اللہ سے رشتہ داری کا قریبی تعلق تھا اگرچہ فی الحال ہمیں تفصیلی حالات دستیاب نہیں۔ اس کے علاوہ خود شاہ محمد اسحاقؒ جو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے جانشین بنے اپنے بھائی شاہ محمد یعقوبؒ کے ہمراہ سید شہیدؒ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے یہ دو حضرات اگرچہ عملی طور پر ہجرت و جہاد کے سفر میں شریک نہ تھے مگر تحریک جہاد میں سید شہیدؒ کے مکمل ہم نوا تھے اور یہ ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ناممکن ہے۔ اسی طرح سید شہیدؒ کے ہجرت فرمانے کے بعد دہلی اور ہندوستان میں اس تحریک کو جاری

رکھنے میں ان کی کاوشیں ایک مسلمہ حقیقت ہے جس سے معاندین تحریک انکار نہیں کر سکتے۔ ان بزرگوں کا تحریک سے کتنا تعاون تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ ۱۲۴۰ھ شاہ محمد اسحاق دہلی میں عوام الناس سے وعظ فرماتے اور باہر مدرسے کے دروازے پر آپ کے داماد مولانا سید محمد نصیر الدین دہلویؒ ان مجاہدین کیلئے چندہ جمع کرتے۔

سید شہیدؒ کی حیات تک اس تحریک اور خاندان ولی اللہی کا جو قربی اور گہرا تعلق رہا وہ گزشتہ بالاتحریر سے صاف عیاں ہے مگر یہ تعلقات یہیں ختم نہیں ہو جاتے بلکہ بعد میں بھی قائم رہے۔ سید شہیدؒ اور ان کے رفقاء کی بالا کوٹ میں شہادت کے بعد اس تحریک کی وہ رونق باقی نہ رہی تھی جو سید شہیدؒ کی حیات میں قائم تھی۔ اس صورتحال میں مولانا سید نصیر الدین دہلویؒ ہی تھے جو میدان جہاد میں اترے اور قیادت اپنے ہاتھ میں لیکر تحریک کو از سر نو تازہ کیا۔ گویا سید شہیدؒ کے جانشین بن کر انہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جہادی قافلوں کو سنبھالا۔ یہ مولانا سید نصیر الدین کون تھے؟۔

مولانا غلام رسول مہر آپ کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں ”حضرت مولانا سید نصیر الدین جامع کمالات بزرگ تھے۔ آپ کو مجدد و شرف کی متعدد نسبتیں حاصل تھیں۔ آپ سید ناصر الدین تھانیسری سوئی پتی کی اولاد سے تھے۔ حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ بن شاہ ولی اللہ کے نواسے، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد عزیز، حضرت شاہ محمد اسحاقؒ کے داماد، حضرت شاہ محمد آفاق مجددی نقشبندی دہلویؒ کے مرید و خلیفہ اور حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک جہاد کے رکن رکین تھے۔“

مولانا سید نصیر الدین صاحب نے ۱۲۴۶ھ میں سید شہیدؒ کی شہادت کے چار سال بعد

۱۲۵۰ھ میں اس تحریک کی قیادت اور اسے از سر نو زندہ کرنے کیلئے دہلی سے ہجرت کی۔ آپ کی ہجرت کے وقت آپ کے سر، مسند علم کے بے تاج بادشاہ شاہ محمد اسحاقؒ اور آپ کے پیرومرشد شاہ محمد آفاق مجددیؒ دونوں بزرگ زندہ تھے۔ بھلا اگر یہ تحریک غلط تھی یا ”وہابی تحریک“ تھی جیسا کہ اسے بدنام کرنے کی متعدد ناروا کوششیں ہوئیں اور اب تک جاری ہیں تو یہ حضرات اپنے اس چہیتے داماد اور محبوب خلیفہ کو کیوں جانے دیتے؟ اور جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ یہی مولانا سید نصیر الدین صاحب شاہ محمد اسحاق کے وعظ کے وقت مدرسے کے دروازے پر مجاہدین کیلئے چندہ جمع کرتے تو ان حضرات نے اس سے کیوں منع نہ کیا؟

نیز یہ اتفاقی امر کس قدر باعث حیرت و مسرت ہے کہ سید شہیدؒ کی حیات میں آپ کی تحریک کے روح رواں مولانا عبدالحی بڑھانویؒ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے داماد تھے اور سید شہیدؒ کی شہادت کے بعد اس تحریک کو سنبھالنے والے شاہ عبدالعزیزؒ کے جانشین شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کے داماد تھے۔

غرضیکہ تحریک کے قیام و بنیاد میں خاندان ولی اللہ ہی کا بنیادی کردار رہا بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب کے ”نظریہٴ فک کل نظام“ جس کی تفصیل آپ کی کتاب ”حجتہ اللہ البالغہ“ اور ”البدور البازغہ“ میں موجود ہے کی بنیاد پر یہ تحریک شروع کی گئی اس لیے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے جانشین شاہ عبدالعزیزؒ اور پھر ان کے جانشین شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے بھرپور طریقے سے اس تحریک کا ساتھ دیا۔ اس تحریر میں تحریک میں شامل خاندان ولی اللہ کے معروف و سرکردہ اصحاب علم و فضل کی نسبت سے باہمی تعلقات کا ایک مختصر نقشہ پیش کیا گیا ہے اگرچہ تحریک میں شامل دیگر متعدد ولی اللہی خاندان کے افراد بھی شامل تھے ان میں سے بعض کے

صرف نام تاریخ میں محفوظ رہ گئے ہیں گویا:

دو چار سے دنیا واقف ہے

گمنام نہ جانے کتنے ہیں

مگر جو کچھ ذکر کیا گیا انصاف پسند لوگوں کیلئے یہی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے محبوب بندوں کی سچی محبت و پیروی نصیب فرمائے اور ان سے بغض و عداوت رکھنے سے محفوظ رکھے کہ یہ بڑے نقصان اور خسارے کی بات ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ: من عادى لى وليا فقد اذنته بالحرب جس نے میرے دوست سے عداوت کی میرا اُس سے اعلان جنگ ہے۔

اس تحریر کی تیاری میں درج ذیل کتب

سے بکثرت استفادہ کیا گیا ہے

تاریخ دعوت و عزیمت..... مولانا ابوالحسن علی ندویؒ
 بریلی سے بالا کوٹ تک..... مولانا قمر عثمانیؒ
 تذکرہ سید احمد شہیدؒ..... مولانا محمد حمزہ حسنی ندویؒ
 تحریک سید احمد شہید..... مولانا غلام رسول مہرؒ
 جماعت مجاہدین..... مولانا غلام رسول مہرؒ
 مکاتیب سید احمد شہیدؒ (مطبوعہ لاہور)

برائے رابطہ

m.ahmad1431@gmail.com